قاضی ابو یوسفؒ

حیات اور علمی کارنامے

حسن التقاضی فی سیرۃ امام ابی یوسف القاضی

تالیف
شیخ زاہد کوثری

ترجمہ وتحقیق
منظر الاسلام ازہری

دار النعمان
للطباعۃ والنشر والتوزیع

قاضی ابو یوسف

حیات اور علمی کارنامے

تالیف

علامہ زاہد کوثری

ترجمہ وتحقیق

مولانا منظر الاسلام ازہری

Qazi Abu Yusuf:Hayat Aur Ilmi Karname

By: Shaikh Zahid Kausri
Translated by: Manzarul Islam Azhari
First edition: November 2011 in Delhi
second edition: November 2012 in pakistan

Dar-un- Noman, Pakistan
Distributed by :Maktaba Qadria
Main University Road Old Sabzi Mandi
Karachi
Phone 0345-7760640
Email : darulnoman@gmail.com

انتساب

امام ابو یوسف کے نام

فہرست مشمولات

پیش لفظ

۲۰۰۸ء میں میرے ایک غائبانہ کرم فرما جو عام طور پر اہل علم سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں نے علامہ زاہد کوثری حنفی کے تین رسالے ارسال کیے اور فون پر فرمائش کی کہ ان رسالوں کا ترجمہ اردو میں اس لیے ناگزیر ہے کہ برصغیر کے سلفی و وہابی تقلید اور ائمہ مذاہب خاص طور پر امام اعظم ابو حنیفہ کی محدثانہ بصیرت اور فقہی شان کا بڑی بے باکی سے مذاق اڑا رہے ہیں۔ علامہ کوثری کے یہ رسالے میرے مطالعے میں آچکے تھے، میں نے ان کی بات سے اتفاق کیا اور کتاب ملنے کے فوراً بعد ترجمے کا کام شروع کر دیا۔ تقریباً دو مہینے کے اندر پہلے رسالے ''فقه اهل العراق وحديثهم'' کا ترجمہ مکمل کر لیا۔

چند ماہ بعد دوسرے رسالے ''حسن التقاضي في سيرة امام ابي يوسف القاضي'' کا ترجمہ بھی شروع کر دیا۔ کچھ ذاتی مصروفیات اور نامساعد حالات کی وجہ سے اس رسالے کی تکمیل میں تاخیر ہوئی مگر بحمدہٖ تعالیٰ تاخیر کے باوجود اس کا ترجمہ بھی مکمل ہو گیا۔ اب دونوں رسالے ادارہ فکر اسلامی سے شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم اس کے حبیب سیدنا محمد ﷺ کے صدقہ و طفیل ''حسن التقاضی'' بنام ''امام ابو یوسف حیات و خدمات'' کا اردو ترجمہ شب چہار شنبہ بعد نماز مغرب ۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق ۵؍اگست ۲۰۰۹ء کو میں نے مکمل کر لیا تھا۔ کتاب کے مباحث، مصادر و مراجع دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر گنجلک تھے کہ میں نے اس کے ترجمے پر ہی اکتفا کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ یہ شوق ہوا کہ گنجلک مباحث کی توضیح اور مصادر و مراجع کی تخریج و تحقیق حاشیے میں کر دی جائے تو کتاب کی افادیت دوبالا ہو جائے گی۔ اسی غرض سے ترجمے کے ساتھ

ساتھ حاشیے اور اصل مصادر کی طرف رجوع کی ہمت بھی کرلی۔ مگر یہ کام دو وجہوں سے اتنا آسان نہیں تھا۔

اولاً: مصنف کا طریقہ کار عام طرز سوانح نگاری سے بالکل مختلف ہے، عام مولفین کی طرح محض نام ونسب، تاریخ پیدائش، جائے پیدائش، تاریخ وفات جیسی تفصیلات بیان کرنے پر ہی انہوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ اگر تاریخ پیدائش بیان کی ہے تو مختلف اقوال میں تطبیق و تحقیق اور راجح تاریخ بیان کرنے کا حق ادا کردیا، قضائے ابو یوسف پر بات کی تو تحقیق کی انتہا کردی، علمی مقام اور معاصرانہ احوال بیان کیے تو ایسا لگتا ہے یہ حرف آخر ہے، امام ابو یوسف کی اجتہادی شان کا ذکر کیا تو ایسے ایسے اصولی اور فروعی مباحث ذکر کیے کہ انصاف پسند قاری ان کی رائے سے متفق ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔

ثانیاً: علامہ زاہد کوثری کی تحقیق کا بڑا حصہ قلمی کتابوں اور قدیم نسخوں پر مشتمل ہے۔ قدرت نے کوثری کے اخاذ ذہن کے لیے وسائل بھی فراہم کردیے تھے۔ وہ ایک زمانے تک ساڑھے چار سو سال تک عالم اسلام کی سربراہی کرنے والے ملک ترکی میں رہے جس کے قدیم کتب خانے ان کی دلچسپی کا مرکز تھے۔ قسمت کچھ دنوں کے لیے انہیں ملک شام لے گئی جہاں دمشق کی لائبریری سے عزیز ترین کوئی اور جگہ ان کے لیے نہیں تھی اور پھر تقدیر کی کرشمہ سازی نے انہیں علم و علما کی آماجگاہ قاہرہ پہنچادیا جہاں دار الکتب المصریہ اور ازہر جیسی قدیم لائبریریاں ان کا مرکز توجہ بن گئیں۔ اس لیے علامہ کوثری اپنی کتابوں میں اکثر قلمی نسخوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ جن کتابوں کا حوالہ ان کی تحریر میں موجود ہے ان میں سے کچھ چھپ چکی ہیں، کچھ زیر طبع ہیں اور کچھ تک اب بھی اہل علم کی رسائی نہیں ہوسکی ہے۔ ایسے محقق کی کتاب پر حاشیہ اور اصل مصادر کی طرف رجوع کا پورا حق اس وقت تک ادا نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ انسان قاہرہ، ترکی اور شام کا سفر نہ کرے۔

مَیں نے جب ''حسن التقاضی'' کا ترجمہ مکمل کرلیا تو جو کچھ مطبوعہ کتابیں دستیاب تھیں ان کی روشنی میں حواشی، تخریج اور اصل مصادر کی طرف رجوع کرنا شروع کردیا۔ پھر میرا ارادہ ہوا کہ کم از کم قاہرہ کا سفر ضرور کیا جائے تاکہ رہی سہی کسر بھی پوری ہوجائے، مگر قاہرہ کی بجائے ہندوستان جانے کا ارادہ بن گیا اور ابھی بحر ہند کے پار بھی نہیں اترا تھا کہ ہندوستان کے اسی سفر میں کتاب

چھاپنے کی دھن بھی سوار ہوگئی۔ اس درمیان بدایوں شریف بھی حاضری ہوئی اور کتب خانہ قادری دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ایک بار پھر مَیں نے کتاب کی طباعت مؤخر کرنے کا ارادہ کرلیا کیوں کہ کتب خانہ قادری میں کئی قدیم مصادر بالخصوص موفق مکی کی کتاب ''مناقب امام اعظم ابوحنیفہ'' مل گئی۔ مَیں نے یہ کتاب کچھ دنوں کے لیے عاریتاً لے لی اور کچھ دنوں ہندوستان میں رہنے کے بعد امریکہ واپس چلا آیا۔

امریکہ پہنچتے ہی میرے غائبانہ کرم فرما کی طرف سے فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی۔ مَیں نے ازسرنو حوالوں کی تحقیق کی اور بشمول ''مناقب امام اعظم'' جو مصادر مل سکے اس کی روشنی میں حاشیے کا کام مکمل کیا۔ اس لیے کتاب کی طباعت میں تاخیر ضروری تھی۔ موجودہ مصادر کی روشنی میں مَیں نے حواشی اور تحقیق کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ اگر کسی اہم مقام پر کوئی اہم حاشیہ چھوٹ گیا ہو تو یہ مصادر تک میری عدم رسائی کے سبب ہوا ہے۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کمی کو پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ کتاب کا ترجمہ اور اس کی تحقیق سے متعلق چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

(۱) ترجمہ لفظی نہیں بلکہ سلیس اور بامحاورہ کیا گیا ہے۔

(۲) حتی الامکان متن میں وارد آیات واحادیث کی تخریج وتحقیق کردی گئی ہے۔

(۳) گنجلک مسائل کی حاشیے میں توضیح وتشریح بھی کی گئی ہے۔

(۴) بعض مقامات پر مؤلف کا حاشیہ موجود تھا، امتیاز کے لیے اسٹار کا نشان لگایا ہے اور بریکٹ میں ''مؤلف'' لکھ کر اس کی تصریح بھی کردی ہے۔

(۵) علامہ کوثری نے امام ابویوسف کے اساتذہ ومشائخ کے ناموں کا تذکرہ یکے بعد دیگرے کیا ہے، میں نے ان ناموں کی گنتی کرنے کے بعد اصل کتاب میں اپنی طرف سے نمبر کا اضافہ کیا ہے تاکہ قارئین کو آسانی کے ساتھ امام ابویوسف کے اساتذہ ومشائخ کی تعداد کا علم ہوسکے۔

(۶) امام ابویوسف کے مؤلفات پر اصل کتاب کی تعداد کا نمبر بھی اضافہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس معمولی کاوش کے صدقے میں میری، میرے والدین، اور میرے اساتذہ ومشائخ کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

مَیں اپنے غائبانہ کرم فرما محترم امجد جاوید گولڑوی (انگلینڈ) کا بے حد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اپنی ذاتی کتاب بھیج کر مجھے اردو ترجمے کے لیے تیار کیا اور بار بار فون پر اس کی افادیت کا احساس دلایا یہاں تک کہ کتاب کا ترجمہ مکمل ہو گیا، اگر وہ کتاب نہیں بھیجتے اور بار بار فون پر اس کی افادیت کا احساس نہیں دلاتے تو شاید کتاب کا ترجمہ ممکن نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

استاذ محترم مولانا قاضی فضل احمد مصباحی کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہے کیوں کہ کتاب کے بعض گنجلک اصولی مسائل کی توضیح میں ان سے مَیں نے استفادہ کیا ہے۔ مولانا محمد جلال رضا ازہری کا شکریہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ عربی اشعار کی توضیح اور بعض عبارتوں کی تشریح میں ان سے مَیں نے مدد لی ہے۔

صدیق محترم، کرم فرما مولانا اسید الحق قادری بدایونی کا شکریہ بھی ادا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ انہوں نے اپنی لائبریری سے ''مناقب امام اعظم ابوحنیفہ'' کا قدیم نسخہ مراجع و مصادر کی تحقیق کے لیے بلا کسی تردد کے عطا کیا جس سے کتاب کے حواشی میں بڑی مدد ملی اور اپنے کاتب خاص سے کتاب کی سیٹنگ میں بھرپور تعاون کیا جس سے اشاعت کا کام آسان ہو سکا، نیز اپنی گوناگوں علمی، تدریسی اور خانقاہی مصروفیات کے باوجود ترجمے پر نظر ثانی فرما کر مخلصانہ علمی تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔

منظر الاسلام ازہری

اسلامک اکیڈمی آف نارتھ کیرولینا (امریکہ)

۱۸ ستمبر ۲۰۱۱ء

مقدمہ از مؤلف

الحمد للّٰہ الذی اعلیٰ منزل الفقھاء،وشرف قدرھم تشریفاً یوازن خدماتھم للشریعة الغراء،والصلاة والسلام علیٰ سید الانبیاء وسند الاصفیاء سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ البررة الأتقیاء،والقادة النجباء،أما بعد:

اس رسالے کا نام میں نے ''حسن التقاضی فی سیرة الامام ابی یوسف القاضی'' رکھا ہے،مَیں نے اس رسالے میں ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جسے امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری جیسی جلیل القدر شخصیت کے احوال میں نظر انداز کیا جانا ممکن نہیں ہے،کیوں کہ مجتہدین کے درمیان امام ابو یوسف ہی ایک ایسے شخص ہیں جنھوں نے عہد تدوین میں قضا کے مسائل میں علم وعمل کو اس طور پر جمع کیا کہ تین خلفا مہدی،ہادی اور رشید کے زمانے میں ۱۶۶ھ سے ۱۸۲ھ تک مسلسل منصب قضا پر فائز رہے،قضا کی اس طویل مدت کو وہ نہایت پاک بازی اور حسن سیرت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔آپ کے قضا کی ایک اہم خصوصیت جو کسی بھی قاضی کو میسر نہیں ہوئی یہ تھی کہ آپ پوری اسلامک اسٹیٹ کے قاضی تھے۔قضا کا بڑے سے بڑا مسئلہ آپ نے اپنی پختہ رائے کی روشنی میں حل کیا جو ان کی اعتدال پسندی اور میانہ روی کی بہترین مثال ہے۔مشکل ترین مسائل کے حل کے لیے ایسے واضح اصول قائم کیے کہ پورے روئے زمین پر آپ کے بعد آنے والے قاضی بحث وتحقیق میں آپ ہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آپ کے مقلد بن جائیں گے بلکہ آپ کے شفاف طریقۂ کار سے وہ استفادہ کریں گے کیوں کہ متعدد آرا کے درمیان آپ نے بڑی باریکی سے ترجیح دی ہے۔ادبِ قضا اور

(۱) یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر علی محمد عمر کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ خانجی مصر سے شائع ہو چکی ہے۔

اخبارِ قضاۃ کی کتابوں میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے جس نے ہمیں اس عظیم امام کی سوانح لکھنے اور ان کے کارناموں کو قلم بند کرنے پر آمادہ کیا۔

جو لوگ قضا کی ذمہ داری سنبھالنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو سامنے رکھیں (اس باب میں مستقل تالیفات بھی دستیاب ہیں) یوں ہی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد جن لوگوں نے قاضی کی حیثیت سے کام کیا ہے ان کے فیصلے بھی نگاہوں کے سامنے ہونا ضروری ہیں، تاکہ نت نئے متعدد مسائل میں ان کے فیصلوں کو مشعل راہ بنایا جاسکے۔ ان قاضیوں کے اکثر فیصلے سنن سعید بن منصور، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر ادبِ قضا سے متعلق کتابوں میں موجود ہیں، اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہی متقدمین اور متاخرین اہل علم نے اس جانب خاص توجہ دی ہے اور اسلامی قاضیوں کی سیرت وسوانح مرتب کرنے میں بڑی دلچسپی سے کام بھی لیا ہے، مثلاً قاضی محمد بن خلف (متوفی: ۳۰۶ھ) جو قاضی وکیع کے نام سے مشہور ہیں نے ''اخبار القضاۃ'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، یہ کتاب آستانہ کی ''محمد مراد لائبریری'' اور بنی جامع کی لائبریری میں موجود ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کے پہلے نسخے کو ابن کامل شجری کی طرف منسوب کیا ہے جو غلط ہے۔ مصری یونیورسٹی نے اس کی فوٹو کاپی حاصل کر لی ہے۔ وکیع کی یہ کتاب مصر میں چھپ رہی ہے مگر اس میں ابھی تاخیر ہے۔ جرمن مستشرق ڈاکٹر جوزف شاخت نے چند سال قبل مجھ سے ذکر کیا تھا کہ وہ اس کی تحقیق کر رہے ہیں۔ اس کا ایک ہی نسخہ ہونے کی وجہ سے اس پر تحقیقی کام کرنے والوں کی تصحیح سے اطمنان نہیں ظاہر کیا جاسکتا۔ تاہم اس موضوع سے متعلق اس کتاب کی اہمیت سے بالکل انکار بھی نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ اس کتاب میں کسی ایک علاقے کے قاضی یا کسی ایک مسلکے کی قضا سے بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ اس میں عام قاضیوں کے عام مسلکوں کا ذکر ہے۔

قاضیوں سے متعلق کندی کی بھی ایک کتاب مشہور ہے جسے انھوں نے خاص طور پر مصری قاضیوں سے متعلق تحریر کیا ہے اور یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ مصر ہی کے قاضیوں سے متعلق ابن حجر کی بھی ایک کتاب بنام ''رفع الاصر عن قضاۃ مصر'' ہے۔(۱) اس کتاب پر انہیں کے شاگرد

---

(۲) یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے ساتھ دار النوادر للنشر والتوزیع سے شائع ہو چکی ہے۔

حافظ سخاوی کا حاشیہ بھی ہے۔ مصر ہی کے قاضیوں سے متعلق ابن حجر کے پوتے کی بھی ایک کتاب بنام "النجوم الزاهرة فی قضاة مصر و القاهرة" ہے۔ یہ تینوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔
قاضیوں سے متعلق ایک کتاب محمد بن حارث الخشنی کی ہے، اس کتاب کا نام "قضاة قرطبة" ہے، یہ کتاب مڈریڈ میں مکتبہ اندلسیہ کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔ آٹھویں صدی کے عالم ابوحسن علی بن عبداللہ النباھی کی کتاب "قضاة اندلس" ابھی حال ہی میں مصر سے شائع کی گئی ہے، جب کہ دسویں صدی کے عالم حافظ شمس ابن طولون دمشقی کی کتاب "الثغر البسام فی ذکر من ولی قضاء الشام" ابھی تک غیر مطبوعہ ہے (۲)۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کتابوں کی طباعت میں مزید تاخیر نہ ہو اور بھی جو اس موضوع پر تالیفات ہیں ان سب کو جلد از جلد منظر عام پر آجانا چاہیے کیوں کہ یہ ساری کتابیں اہم مقاصد کے لیے تالیف کی گئی ہیں۔
میں نے اس امام زمانہ، یکتائے علم وفن اور بالغ نظر مجتہد کی سوانح لکھتے وقت اسلاف کی اہم اور معتمد کتابوں (جو خواہ کسی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں یا عام لائبریریوں میں) کی سب سے صحیح روایتوں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ان کتابوں کی روایتوں کا علمی تجزیہ کرنے کے بعد روایتیں اخذ کرنے میں جتنی بھی دشواریاں پیش آئیں سب کو دلیری کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام مختار روایتوں کو خاص باب میں ذکر کیا۔ اسی طرح ان کی حیات کے تمام گوشوں کو الگ الگ باب میں ایسے طریقے پر ترتیب دیا جس سے اخلاص کے ساتھ حق وصداقت کی جستجو کرنے والوں کا دل مطمئن ہو جائے۔ اس بحث وتمحیص سے تمام لوگوں کو خوش کرنا میرا مقصد نہیں ہے کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ یوں بھی جہل مرکب کا شکار لوگوں کی فکر کرنا اہل علم کے شایان شان نہیں۔ میں بحث کے درمیان فقہا کے طبقات بھی بیان کروں گا اور جس فقیہ کا تعلق جس طبقے سے ہوگا اس کے تحت ہی اس کا ذکر کروں گا کیوں کہ اس سلسلے میں متقدمین کی کتابوں پر بغیر غور وفکر اور فہم ونظر کے بہت زیادہ اعتماد کیا گیا ہے، اگرچہ اس بحث کی وجہ سے موضوع سے تھوڑا انحراف ہوگا مگر اس کی ضرورت کی وجہ سے میں نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

---

(۳) سیر اعلام النبلاء ج ۸ / ص ۵۳۵، تذکرہ نمبر ۱۴۱، الثقات لابن حبان ج ۷ / ص ۶۴۵، تذکرہ نمبر ۱۱۸۸۱

(۳) الاستیعاب ج ۲ / ص ۵۸۳، تذکرہ نمبر ۹۲۳

(۵)تاریخ بغداد ج ۱۳/ص ۳۴۴، تذکرہ نمبر ۷۵۵۸

امام ابو یوسف کا شجرۂ نسب اور تاریخ پیدائش کی تحقیق

نسب نامہ: امام، حافظ، مجتہد مطلق، علامہ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بجیر بن معاویہ بن قحافہ بن نفیل بن سدوس بن عبد مناف بن اسامہ بن سحمہ بن سعد بن عبداللہ بن قدار بن معاویہ بن ثعلبہ بن معاویہ بن زید بن العوذ بن بجیلہ انصاری البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد جلیل القدر صحابی حبیب کے والد محترم ہیں جو جنگ کرنے کے شوق میں غزوۂ احد کے روز رافع بن خدیج اور ابن عمر کے ساتھ نبی ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیے گئے مگر عمر کم ہونے کی وجہ سے اس جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں ملی۔ معرکۂ خندق اور اس کے بعد دیگر معرکوں میں آپ کو شریک ہونے کا موقع ملا، عمر کے آخری حصے میں کوفہ جا کر آباد ہو گئے اور وہیں وفات پائی آپ کی نماز جنازہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پڑھائی۔ (۳) آپ کی اولاد کوفہ میں ہی مقیم رہی۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ:

> غزوۂ خندق کے روز نبی اکرم ﷺ نے سعد بن حبتۃ کو دیکھا کہ عمر کم ہونے کے باوجود بڑی بہادری کے ساتھ جنگ لڑ رہے ہیں تو پوچھا نوجوان تمہارا نام کیا ہے؟ جواب دیا ''سعد بن حبتۃ'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تمہارے دادا کو نیک بخت بنائے ذرا میرے قریب تو آؤ''، آپ نبی اکرم ﷺ کے قریب ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے آپ کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا۔ (۴)

امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ ''نبی اکرم ﷺ کے دست شفقت کی برکت ہمارے

درمیان آج بھی محسوس کی جارہی ہے۔"

سعد کو ابن حبتة اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حبتة بنت خوات بن جبیر کے بیٹے ہیں، جبیر جلیل القدر اوسی صحابی ہیں۔ اسی طرح نسائی کے ہم نشیں ابن ابی العوام اور طحاوی نے ذکر کیا۔ ذہبی نے بھی اپنے اس جز میں جس میں انہوں نے مناقب ابی یوسف کا بیان کیا ہے ایسا ہی ذکر کیا مگر اس میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے جبیر کے بجائے بجیر ہو گیا ہے۔ ابن عبد البر اور خطیب (۵) نے ابن کلبی پر اعتماد کر کے حبتة کو قبیلۂ بنی عوف کے مالک کی بیٹی کا بیٹا قرار دیا ہے، جب کہ ابن کلبی قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اس روایت کی بنیاد پر یہ لازم آئے گا کہ ابو سعد بجیری اور خوات بن جبیر حلیف ہیں اور سعد کی شادی اپنی قوم کی کسی صاحبزادی سے کر دی. واللہ تعالیٰ اعلم۔

یحیٰ بن معین کی روایت کے مطابق ابو یوسف کے نسب میں خُنَیس کا کوئی ذکر نہیں۔ واضح رہے کہ ابن معین کو اپنے شیخ کے نسب کا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ علم ہے۔ ابن عبد البر نے اس سلسلے میں طحاوی پر اعتماد کیا ہے جب کہ ان کی روایت مرجوح ہے، کیوں کہ خُنَیس حبیب کے بھائی ہیں والد نہیں لہذا خنیس کا شمار آپ کے چچا کی صف میں ہوگا نہ کہ اجداد کی صف میں۔ یہ خنیس کوفہ کی وہی شخصیت ہیں جن کی طرف زمیندار ہونے کی نسبت "چارسو خنیس" (یعنی جدھر دیکھیے خنیس ہی کا بول بالا ہے) کہہ کر کی جاتی ہے۔ یحیٰ بن معین، یعقوب بن شیبہ، قاضی وکیع اور ابو قاسم بن عوام نے جب امام ابو یوسف کا تذکرہ کیا تو نسب میں خُنَیس کا ذکر بالکل نہیں کیا۔ میرے نزدیک بھی یہی راجح ہے کیوں کہ اکثر علما کی رائے یہی ہے اور آپ کے نسب سے متعلق ان حضرات کا علم بھی زیادہ ہے۔

ذہبی اپنے جز میں لکھتے ہیں:

"حبتة خوات انصاری کی بیٹی ہے اور سعد کا نسب قبیلہ بجیلہ میں جا کر ملتا ہے"۔

میرا خیال ہے کہ آپ کے نسب سے متعلق اسی قدر تحقیق کافی ہے۔

امام ابو یوسف کی ولادت: امام ابو یوسف کی پیدائش کے بارے میں طحاوی سے مروی ہے کہ ۱۱۳ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ اکثر علما نے اسی کو ذکر کیا ہے، مگر مؤرخ، فقیہ ابو قاسم علی بن محمد سمنانی (متوفی ۴۹۹ھ) اپنی کتاب "روضة القضاة" جو قضا سے متعلق بڑی مفید کتاب ہے میں لکھتے ہیں:

"ابو یوسف کی جب وفات ہوئی تو مختلف اقوال کے پیش نظر آپ کی عمر اس وقت نواسی سال کی تھی"۔

ابن فضل اللہ عمری نے بھی "مسالک الابصار" میں یہی ذکر کیا ہے۔ تقریباً یہی نظریہ "اخبار الاول" اور "روضات الجنات" کے مصنفین کا بھی لگتا ہے۔ تحقیقی طور پر ان کی وفات کا سال ۱۸۲ھ ہے لہٰذا اس بنیاد پر آپ کی تاریخ پیدائش ۹۳ھ ٹھہرے گی۔ ان دونوں تاریخوں میں واضح فرق نظر آرہا ہے۔ میرے خیال میں آپ کی صحیح تاریخ پیدائش تو ۹۳ھ ہی ہے مگر وہ ۱۱۳ھ اس وجہ سے پڑھا جانے لگا کہ بعض قدیم نسخوں میں یہ تاریخ عدد میں (یعنی ۹۳) لکھی ہوئی ہے، لہٰذا یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ ۹ کا سرا ظاہر نہ ہونے یا اس کے مٹ جانے کی وجہ سے ایک کے مشابہ ہوگیا اور ۳ اپنی صحیح صورت میں برقرار رہا، پڑھنے والے اسے ۱۳ر پڑھنے لگے، مگر تیرہ ہجری میں آپ کا پیدا ہونا بظاہر قرین قیاس نہیں معلوم ہو رہا تھا، اس لیے لوگ اسے یہ سمجھنے لگے کہ یہ ایک سو تیرہ ہجری ہے۔ ایک سو کو بطور اختصار حذف کردیا گیا کیوں کہ ایک سو کے بعد کی تاریخ میں عدد سو کو حذف کردینے کا عام رواج تھا۔ اس طرح لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ابو یوسف کی حقیقی تاریخ پیدائش ایک سو تیرہ ہی ہے اور مؤرخین نے بھی اسے حقیقی تاریخ پیدائش سمجھ کر نقل کرنا شروع کردیا۔

میرے نزدیک یہ قیاس اس لیے قوی ہے کہ حافظ ابو عبداللہ محمد بن مخلد العطار متوفی ۳۳۱ھ نے اپنے مشہور جز "ما رواہ الاکابر عن مالک" جو دمشق کے ظاہریہ کتب خانے میں مجموعہ نمبر ۹۸ کے تحت موجود ہے (اس میں بہت سے حفاظ سے سماع موجود ہے) میں ذکر کیا کہ:

> ہم سے بیان کیا محمد بن ہارون نے، وہ کہتے ہیں ہم سے بیان کیا ابو موسیٰ انصاری نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے قاضی ابو یوسف نے کہا کہ "اگر لوگوں کی عمر دراز ہوئی تو وہ مدینے کے ایک نوجوان یعنی مالک کی طرف اپنے مسائل میں رجوع کریں گے"۔

امام ابو یوسف کے اس قول کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام ابو یوسف امام مالک سے عمر میں بڑے تھے یا کم از کم ان کے معاصر ضرور تھے۔ اگر یہ نہ تسلیم کیا جائے تو ابو یوسف کا یہ

قول درست نہیں ہوگا۔ اس قول کی صداقت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ امام ابو یوسف کا معاملہ اکثر احوال میں امام مالک کے ساتھ معاصرین جیسا تھا، اور یہ بات اس وقت درست ہوگی جب ابو یوسف امام مالک کے ہم عمر ہوں یا ان سے بڑے ہوں، اسلاف کی تاریخ پیدائش میں بہت زیادہ اضطراب اور اختلاف پایا جاتا ہے جس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وفیات سے متعلق کتابیں کافی بعد میں مدون ہوئی ہیں۔ واقدی (متوفی ۲۰۷ھ) سے قبل ابو یوسف کے طبقے میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس نے تذکرے قلم بند کرنے کی طرف توجہ کی ہو، جس کی بنیاد پر

---

(٦) پوری حدیث اس طرح ہے: عن معاذ بن جبل قال شهد رسول الله ﷺ املاک رجل من أصحابه فقال له على الخير والألفة والطائر الميمون والسعة في الرزق بارک الله لکم دففوا على رأسه فجئ بدف فضرب به فأقبلت الأطباق وعليها فاكهة وسكر فنثر عليه فكف الناس أيديهم فقال رسول الله ﷺ مالكم لا تنتهبون؟ قالو: يا رسول الله ﷺ أو لم تنه عن النهبة قال: انما نهيتكم عن نهبة العساكر، فأما العرسات فلا، قال فجاذبهم و جاذبوه.

الف: المعجم الكبير للطبرانی ج ۲۰/ص ۹۷، حدیث نمبر ۱۹۱۔

ب: مجمع الزوائد للهيثمی ج ۴/ص ۵۶، باب النهبة فی العرس۔

امام ہیثمی نے اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے درج کر کے فرمایا: "اس کی سند میں حازم مولی بنی ہاشم ہیں جنہوں نے لمازہ سے روایت کیا ہے، یہ لمازہ ابن زبار نہیں بلکہ یہ ابن زبار سے متاخر ہیں، ان کا تذکرہ مجھے نہیں مل سکا، سند کے دوسرے رواۃ ثقہ ہیں"، یہی روایت کچھ تفصیل کے ساتھ المعجم الاوسط میں بھی ہے مگر اس کی سند میں بشر بن ابراہیم ہیں جو وضاع ہیں۔

ج: مسند الشاميين للطبرانی ج ۱/ص ۲۳۴، حدیث نمبر ۴۱۶۔

د: حلية الأولياء لابی نعیم ج ۵/ص ۲۱۶۔

ابو نعیم نے حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا "یہ حدیث خالد کی مرویات میں سے ہے اور غریب ہے کیوں کہ خالد ثور سے روایت کرنے میں منفرد ہیں" ج ۶/ص ۹۶ پر اسی روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا "یہ حدیث ثور کی مرویات سے ہے اور غریب ہے، ہم نے اس کی روایت حازم عن لمازہ کے ہی واسطے سے لی ہے۔

ھ: میزان الاعتدال للذهبی ج ۸/ص ۴۳۔

امام ذہبی نے حازم مولی بنی ہاشم کے تذکرے میں حدیث کا جملہ مالکم لا تنتهبون نقل کر کے کہا "حازم سے عصمہ بن سلیمان الخزاز نے روایت کی ہے اور یہ حدیث طبرانی کی معجم اوسط میں ہے، ابن جوزی نے موضوعات میں اس پر کلام کیا ہے کیوں کہ حازم اور لمازہ مجہول ہیں"۔

ز: لسان الميزان لابن حجر ج ۲/ص ۱۶۲، تذکرہ نمبر ۷۱۸۔

حافظ ابن حجر نے بھی وہی بات کہی ہے جیسا کہ ذہبی نے کہا مگر اس میں یہ اور اضافہ کیا ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس طبقے کی تاریخ وفات درج کرنے میں کم غلطی واقع ہوئی ہو، جب کہ تاریخ پیدائش کا معاملہ اس کے برخلاف ہے کیوں کہ اس زمانے میں یہ مورخین موجود ہی نہیں تھے۔

اس بحث سے متعلق میرے اوپر یہی توجیہ منکشف ہوئی، قارئین کا دل جس رائے سے مطمئن ہوتا ہو اس پر اعتماد کرلیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ''میری نگاہ میں ایک دوسری بھی روایت ہے جس کی سند تھوڑی مختلف ہے، ابن مندہ نے المعرفۃ میں عصمہ ہی کے حوالے سے بطریق حازم بن مروان، عن عبدالرحمٰن بن فلاں یا فلاں بن عبدالرحمٰن عن النبی ﷺ نقل کی ہے''۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ ''یہ روایت معضل ہے تاہم اس سے حازم کے والد کا پتہ چل گیا اس کے باوجود وہ غیر معروف ہیں''۔

ح: الاصابہ لابن حجر ص ۲۷۱/۴۔

الاصابۃ میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''ابن مندہ نے اس روایت کو عصمہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، عصمہ اور ان کے شیخ غیر معروف ہیں''، آگے وہی بات ہے جو لسان المیزان میں ہے۔

ط: الموضوعات لابن الجوزی ج ۲/ص ۱۷۱، باب نثار العرس۔

ابن جوزی نے اس حدیث کی تخریج معاذ بن جبل اور انس بن مالک کے حوالے سے کی ہے۔ حضرت معاذ کی حدیث کے دو طرق کا ذکر کیا ہے اور حضرت انس والی حدیث کی ایک ہی سند ذکر کر کے یہ حکم لگایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حدیث معاذ کے بارے میں فرمایا ''اس کی پہلی سند میں بشر بن ابراہیم ہیں جو اس حدیث میں متہم ہیں، عقیلی نے کہا اس حدیث میں ان کی متابعت نہیں کی جائے گی، اوزاعی سے انہوں نے ایسی موضوع روایتیں نقل کی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاسکتی، ابن عدی نے کہا میرے نزدیک وہ ان رواۃ میں ہیں جو ثقات کے حوالے سے حدیثیں گڑھا کرتے ہیں اسی وجہ سے ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقات کے حوالے سے حدیثیں گڑھا کرتے ہیں، دوسری سند میں حازم اور لمازہ دونوں مجہول ہیں''۔

ی: اللآلی المصنوعۃ للسیوطی ج ۲/ص ۱۴۰۔

سیوطی نے بھی ابن جوزی کی موافقت کی ہے۔

اقول: میرے نزدیک اس حدیث میں حازم اور لمازہ کی جہالت کی وجہ سے ضعف خفیف ہے، کیوں کہ ابن جوزی جیسے متشدد ناقد رجال نے بھی ان دونوں راویوں پر جہالت کے علاوہ اور کوئی حکم نہیں لگایا، لہٰذا یہ حدیث ضعیف خفیف کے درجے میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۷) امام صیمری نے اپنی سند سے بطریق عمر بن محمد، مکرم، عبدالصمد بن عبیداللہ، علی بن حرملہ تیمی عن ابی یوسف اس روایت کی تخریج کی ہے۔ دیکھیے: اخبار ابی حنیفۃ ج ۱/ص ۹۹۔
امام احمد بن موفق مکی نے اپنی کتاب میں اس واقعے کا تذکرہ اپنی سند کے ساتھ اس طرح کیا ہے:
أخبرنا الشيخ عبد الحميد بن ميكائيل بخوارزم قرأة عليه، أخبرنا الامام أبو الفضل محمد بن عبد الله السرخكتي، أخبرنا أبو علي الحسين بن علي الصفار البخاري، أخبرنا أحمد بن محمد النسفي ومحمد بن احمد قالا أخبرنا محمد بن عمر الحديدي، أخبرنا أبو محمد عبد الله بن محمد الحارثي، أخبرنا أحمد بن محمد الكوفي، أنبأنا عثمان بن عبد الاعلي، حدثني محمد بن اسحق انبا أبي اسحق بن حماد بن اسحق عن علي بن حرمله، عن أبي يوسف
روایت کے آخر میں امام موفق نے کہا "میں نے اس حدیث کا سماع مناقب صیمری میں علی بن حرملہ عن ابی یوسف کے واسطے سے بھی کیا ہے"، دیکھیے: مناقب امام اعظم ابو حنیفۃ ج ۲/ص ۲۱۱، ۲۱۲۔
مزید کہتے ہیں "امام کردری نے اپنی کتاب میں صیمری اور امام عبدالحمید خوارزمی کے حوالے سے بطریق یحیٰی بن حرملہ عن ابی یوسف اس روایت کی تخریج کی ہے۔ امام صیمری کی سند میں نے اوپر ذکر کر دی ہے، صیمری کے جس نسخے سے میں نے استفادہ کیا ہے اس میں علی بن حرملہ نام کے راوی ہیں" مناقب امام اعظم ابو حنیفۃ ج ۲/ص ۱۲۲۔

امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کی درس گاہ میں

موسیٰ بن حزم نے کہا:

ہمیں خبر دی خلف بن ایوب نے، وہ کہتے ہیں میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ میں قاضی ابو لیلیٰ کے پاس آیا جایا کرتا تھا، وہ میری بڑی قدر بھی کیا کرتے تھے، جب انہیں کسی مسئلے میں اشکال ہوتا تو وہ ابو حنیفہ کی توجیہ دیکھا کرتے تھے، میں خود بھی ابو حنیفہ کے پاس جانا پسند کرتا تھا مگر حیا میرے آڑے آتی تھی، ایک مرتبہ میرے اور ابو لیلیٰ کے بیچ کچھ بات ہوگئی جو انہیں ناگوار گزری، میں نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے پاس جانا بند کر دیا اور ابو حنیفہ کے پاس جانے لگا۔

حافظ ابو عبداللہ بن مندہ نے بسند حارثی ابو یوسف کے حوالے سے اس واقعے کا تذکرہ

---

(۸) تاریخ بغداد ج ۱۴/ص ۲۴۴، خطیب نے صیمری، عمر ابن ابراہیم، مکرم بن احمد عبدالصمد بن عبیداللہ علی بن حرملہ تیمی کے حوالے سے اس روایت کی تخریج کی ہے۔

قاری محمد بن زیاد النقاش (ولادت ۲۶۶ھ/وفات ۳۵۱ھ) ابوبکر محمد بن حسن بن محمد بن زیاد موصلی اپنے زمانے کے بڑے نامور عالم، قاری، اور مفسر قرآن ہیں، اپنی تمام تر علمی جلالت کے باوجود روایت حدیث میں ان کا مقام بلند نہیں ہے، وہ متروک الحدیث ہیں، ابو عمرو دانی نے انہیں مقبول الشہادۃ کہا ہے، صاحب کتاب نے اس کی توجیہ کر دی ہے۔ شفاء الصدور، غریب القرآن، موضح فی معانی القرآن ان کی مشہور تصانیف ہیں، شفاء الصدور کے بارے میں لالکائی نے کہا ہے کہ وہ "اشفا" یعنی سینہ کو ہلاک کرنے والی ہے۔ ان کے تفصیلی احوال کے لیے دیکھیے: الف: تذکرۃ الحفاظ ج ۳/ص ۹۰۸، تذکرہ نمبر ۸۷۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۵/ص ۵۷۳ تذکرہ نمبر ۳۴۸، طبقات الحفاظ للسیوطی ج ۱/ص ۳۷۱ تذکرہ نمبر ۸۴۱، التدوین فی اخبار قزوین للقزوینی ج ۱/ص ۲۵۴، تاریخ بغداد للخطیب ج ۲/۲۰۱، تذکرہ نمبر ۶۳۵، ذیل ذیل تاریخ مولد العلماء لہبۃ اللہ اکفانی ج ۱/۴۷۔

کیا ہے اور ابو یوسف وابن ابی لیلیٰ کے مابین پیش آنے والے مسئلے کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

ابن ابی لیلیٰ کی بیٹی کی شادی کے موقع پر خُرمہ لٹایا گیا تو چننے والوں میں ابو یوسف بھی شریک تھے، ابن ابی لیلیٰ نے ابو یوسف کو منع کرتے ہوئے کہا کہ لوٹ کر خُرمہ لینا مکروہ ہے، ابو یوسف نے کہا ایسا کرنا لشکریوں کے لیے مکروہ تو ہے مگر شادیوں میں کچھ حرج نہیں، ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ بات ان کو ناگوار گزری اور میں ابو حنیفہ کا پاس جانے لگا۔

معلوم ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ کو تا حال خُرمہ لوٹنے کی نہی کے مورد کا پتہ نہیں تھا۔ یوں بھی انسان خطاو نسیان کا مجموعہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ کچھ چیزیں املاک میں ملا دی گئیں، لوگ اس کو لینے سے گریز کرنے لگے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تم لوگ لوٹ کر کیوں نہیں لیتے؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہی تو اس طریقے پر لینے سے منع فرمایا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں نے لشکریوں کو لوٹ کھسوٹ کر لینے سے منع کیا ہے، لہٰذا جاؤ بکھرے ہوئے سامان کو لے لو۔'' (٦)

خطیب نے علی بن حرملہ تیمی کے طریقے سے ابو یوسف سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:

میں علم حدیث اور فقہ حاصل کرنے میں مصروف تھا مگر میرے حالات اچھے نہیں تھے، ایک روز میں ابو حنیفہ کے پاس تھا کہ میرے والد آئے تو میں ان کے ساتھ چلا گیا، انہوں نے مجھ سے کہا ''بیٹے ابو حنیفہ کے ساتھ زیادہ تعلق نہ بناؤ کیوں کہ ان کے معاشی حالات اچھے ہیں، اور تمہیں تو فکر معاش کی سخت ضرورت ہے'' ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں اپنے والد کی نصیحت پر عمل کرنے لگا اور بہت زیادہ طلب علم کی فکر نہیں کرتا۔

---

(٩) مناقب امام اعظم ابو حنیفہ: موفق الدین ابن قدامہ ج ٢/ ص ٢١٥

(١٠) مرجع سابق

چند روز میں ابو حنیفہ کے پاس نہیں گیا تو وہ میرے بارے میں پوچھنے لگے، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے جانا چاہیے۔ چنانچہ اس انقطاع کے بعد پہلی مرتبہ جب میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے مجھ سے اتنے دنوں تک غائب رہنے کی وجہ پوچھی، میں نے ان سے کہا کہ "کچھ تو معاش کی فکر تھی اور کچھ اپنے والد کی فرماں برداری" اس کے بعد میں بیٹھا رہا، مجلس ختم ہوئی سب لوگ چلے گئے تو انہوں نے مجھے ایک تھیلا دیا اور کہا "اس سے اپنی ضرورت پوری کرتے رہنا"، ابو یوسف کہتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو اس میں ایک سو درہم تھے، پھر ابو حنیفہ نے کہا درس میں آتے رہنا اور جب یہ درہم ختم ہو جائیں تو مجھے بتا دینا (۷) میں ان کی مجلس میں پابندی کے ساتھ جانے لگا، چند ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے سو درہم اور دیے اور تاکید کی کہ ختم ہو جانے پر بتا دینا، مگر میں نے کبھی بھی ان کو اس کی اطلاع نہیں دی اس کے باوجود ایسا لگتا تھا کہ کوئی انہیں میرے درہم ختم ہونے کا پتہ بتا دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ مجھے مزید دے دیتے ہیں، اسی طرح ان کی عنایتوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ میں مال دار ہو گیا اور مجھے اب فکر معاش کی ضرورت نہیں رہی۔

خطیب نے اس واقعے کے بعد کہا کہ:

---

(۱۱) الف: الاستیعاب ج ۳/ص ۱۹۹۲ اور ج ۳/ص ۱۴۰

ب: تذکرة الحفاظ ج ۳/ص ۹۹۲

ج: فضائل الصحابة ج ۲/ص ۸۴۱

د: تاریخ طبری ج ۳/ص ۱۴۷

(۱۲) الف: مسند امام احمد بن حنبل ج ۱/ص ۷، ۳۸، ۴۴۵

ب: المستدرک علی الصحیحین ج ۲/ص ۲۴۷۔ حاکم نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا "علقمہ کی حدیث عمر کے حوالے سے شیخین کی شرط پر سند صحیح ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی، شیخین کو اس بات کا توہم ہو گیا کہ علقمہ بن قیس کا سماع عمر سے صحیح نہیں، عامر بن یاسر سے مروی مفسر حدیث اس کی شاہد ہے"۔

ج: سنن ابن ماجہ ج ۱/ص ۳۹، تذکرہ نمبر ۱۳۸

کہتے ہیں کہ ابو یوسف ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا، پھر اس کے بعد اپنی سند سے ان کی والدہ کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے ابو یوسف کو ایک دھوبی کے حوالے کر دیا، وہاں سے وہ بھاگ کر ابو حنیفہ کے پاس آ گئے، ان کی ماں نے اس کی شکایت کی، ابو حنیفہ نے ان سے کہا "تمہارا بیٹا پستے کے تیل سے فالودہ کھانے کا طریقہ سیکھ رہا ہے"، (ابو حنیفہ نے جیسا کہا وہی ہوا کیوں کہ) ابو یوسف نے اسے رشید کے دستر خوان پر کھایا تھا۔

خطیب کی اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں کیوں کہ اس کی سند میں "شفاء الصدور" (۸) کا مصنف قاری محمد بن زیاد نقاش منفرد ہے اور یہ مشہور کذاب ہے۔ جہاں تک ابو عمر دانی کے راوئ مذکور کی تعریف کا سوال ہے تو ان کو اس کے احوال کا پتہ ہی نہیں تھا کیوں کہ ان کا گھر مشرقی علاقوں سے بہت دور تھا۔ اس سلسلے میں اس سے پہلی والی ہی روایت پر اعتماد کیا جائے گا کیوں کہ اس کی سند میں کسی راوی پر کلام نہیں مگر اس روایت کے آخر کے الفاظ خطیب نے حذف کر دیے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں:

---

(۱۳) الف: المستدرك على الصحيحين ج ۳/ص ۳۵۹۔ حاکم نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا "شیخین کی شرط پر یہ سند صحیح ہے مگر انہوں نے تخریج نہیں کی۔"

ب: مجمع الزوائد ج ۹/ص ۲۹۰، امام ہیثمی نے حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا "اس حدیث کو بزار کے علاوہ طبرانی نے اوسط میں مختصر اور کبیر میں منقطعاً روایت کیا ہے، بزار کی سند میں محمد بن حمید رازی ثقہ راوی ہیں مگر علما نے ان کی ثقاہت میں اختلاف کیا ہے دیگر رواۃ کی محدثین نے توثیق کی ہے۔"

ج: مسند بزار ج ۵/ص ۳۵۴، تذکرہ نمبر ۱۹۸۶

(۱۴) الف: الاستیعاب ج ۳/ص ۹۹۲

ب: صفوة الصفوة ج ۱/ص ۴۰۰

ج: طبقات الكبرىٰ ج ۲/ص ۳۴۴

د: فضائل الصحابہ ج ۲/ص ۸۴۳

ھ: مجمع الزوائد ج ۶/ص ۳۰۳، ہیثمی نے کہا "طبرانی نے اس حدیث کی تخریج کی اس کے تمام رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں تاہم قتادہ نے عمر اور ابن مسعود کو نہیں پایا۔"

جب میں مال دار ہو گیا تو ابو حنیفہ کی مجلس میں پابندی کے ساتھ جانے لگا، اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت اور نیک نیتی کی وجہ سے مال و دولت کے ساتھ ساتھ علم و فضل کا بھی دروازہ کھول دیا، اللہ ان کو اس عمل کی جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کی مغفرت فرمائے۔

اس بارے میں کئی روایتیں ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ اس قصے کا تعلق امام ابو یوسف کے والد سے ہے ان کی والدہ سے نہیں۔ اس کی تائید حارثی کے یہاں موجود حسن بن ابی مالک، عبدالحمید حمانی کی ابو یوسف سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے، مزید تحقیق کے لیے موفق خوارزمی کی کتاب (مناقب امام اعظم ابو حنیفہ) کا مطالعہ مفید ہوگا، انہوں نے اپنی سند کے ساتھ ان روایتوں کا ذکر کیا ہے۔

امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے درس میں بڑی پابندی کے ساتھ جایا کرتے تھے حتیٰ کہ محمد بن قدامہ نے شجاع بن مخلد سے روایت کی کہ انہوں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ:

میرے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا، اس کے کفن دفن کا معاملہ میں نے اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں پر چھوڑ دیا، میں اس خوف سے اس کی تدفین میں شریک نہیں ہوا کہ کہیں ابو حنیفہ کی کوئی بات سننے سے میں پیچھے نہ رہ جاؤں جس کی وجہ سے بعد میں مجھے پچھتانا پڑے۔(۹)

عباس بن حمزہ نے اسحاق بن ابی اسرائیل سے روایت کی، انہوں نے حسان بن ابرہیم سے انہوں نے ابو حنیفہ کو کہتے ہوئے سنا کہ:

ابو یوسف جتنا زیادہ میرے ساتھ رہے اس قدر کوئی بھی نہ رہا، ابو داؤد طائی بھی اپنے ابتدائی دنوں کی طرح آخر وقت تک میرے ساتھ رہتے تو لوگ ان سے بہت زیادہ مستفید ہوتے۔(۱۰)

---

(۱۵) الف: سیر اعلام النبلاء ج ۲ / ص ۴۴۳

ب: تذکرۃ الحفاظ ج ۱ / ص ۲۵

ج: المدخل الی سنن الکبری ج ۱ / ص ۱۶۰

(۱۶) المحدث الفاصل، ج ۱ / ص ۵۶۰

قاضی ابو یوسف ابن ابی لیلیٰ اور ابو حنیفہ کا بہت زیادہ ادب واحترام کیا کرتے تھے شاید یہی وجہ تھی کہ وہ علم وفضل میں بڑے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔

(۱۷) المحدث الفاصل ج ۱ ص ۵۲۶، ۵۵۹۔ کتاب میں منقول عبارت اس طرح ہے: ما رضينا من أحد ما لأمة الا شريكا فانه أبي علينا، وما رئينا بالكوفة لحانا مجوزا - درست عبارت اس طرح ہے: ما رضينا من أحد الا بالاملاء

اسلامی ملکوں میں کوفہ کی اہمیت اور امام ابو یوسف کی علمی نشو نما

جب عراق فتح ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا خاص خیال رکھنے لگے، چنانچہ ۱۷ھ میں آپ نے کوفہ بسایا۔ متعدد قبائل کے رہنے کا انتظام کیا، بڑے بڑے صحابہ کو وہاں کوچ کرنے کا حکم دیا۔ خاص طور پر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو ابن ام عبد سے مشہور ہیں) کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے کے لیے کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو یہ کہلا بھیجا کہ:

"میں نے آپ کے ہاں ابن مسعود کو بھیج کر اپنے اوپر تمہیں ترجیح دی ہے"۔ (۱۱)

حضرت عمر کا یہ ارشاد بتا رہا ہے کہ ابن مسعود کو علم میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی حتیٰ کہ خلیفۂ وقت حضرت عمر بھی ان کے علم سے بے نیاز نہیں تھے۔ ابن مسعود کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو قرآن کو اترتا ہوا دیکھنا چاہے وہ ابن ام عبد کی قرات پڑھے"۔ (۱۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"میں نے اپنی امت کے لیے اس چیز کو پسند کیا جس کو ابن ام عبد نے پسند کیا"۔ (۱۳)

حضرت عمر نے فرمایا:

"علم و فضل سے بھرے ہوئے برتن کا نام ابن مسعود ہے"۔ (۱۴)

غرض یہ کہ حضرت ابن مسعود کے علمی فضائل اور فقہی مہارت سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان جیسے جلیل القدر صحابی نے اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کی باگ ڈور حضرت عمر کے

---

(۱۸) اخبار ابی حنیفۃ ج ۱ ص ۱۵۶

زمانے سے حضرت عثمان کے آخری عہد مبارک تک سنبھالی۔ اس مدت میں ان کی درسگاہ سے سیکڑوں فقہا اور قُرّا فارغ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کوفہ کو علما و فضلا سے لبریز دیکھا تو ابن مسعود سے متوجہ ہو کر فرمایا:

''آپ نے تو اس علاقے کو علم و فقہ سے بھر دیا''۔

کوفہ میں حضرت ابن مسعود کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک جا پہنچتی ہے اور یہ سب کے سب اپنے زمانے کے زبردست عالم سمجھے جاتے تھے۔ جب حضرت علی اور دیگر فاضل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوفہ منتقل ہو گئے تو وہاں اور بھی چار چاند لگ گئے۔ ان حضرات نے بھی کوفیوں کی فقہی تعلیم پر خاص توجہ مرکوز کی، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ کوفہ میں ہر طرف محدث، فقیہ، قُرّا اور اہل لغت نظر آنے لگے۔ اس اعتبار سے اسلامی ملک کا کوئی بھی شہر اس کے ہم پلہ نہ رہا۔

صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کبار اصحاب کا ذکر کیا جائے تو اس کے تذکرے کے لیے ایک دفتر کی ضرورت پڑے گی۔ عجلی کی تحقیق کے مطابق صرف کوفہ میں آباد ہونے والے صحابہ کی تعداد پندرہ سو ہے، جب کہ عراق کے دوسرے شہروں میں آباد ہونے والے صحابہ اس کے علاوہ ہیں۔ جلیل القدر تابعی حضرت مسروق بن اجدع کہتے ہیں:

تمام صحابہ کرام کا علم میں نے چھ لوگوں یعنی علی، عبداللہ، عمر، زید بن ثابت،

---

(۱۹) الف: تاریخ ابن معین بروایت دوری ج ۳ ص ۵۰۴، تذکرہ نمبر ۲۴۶۱

ب: تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۴

(۲۰) موفق مکی نے امام اعظم ابو حنیفہ کے اجلۂ اصحاب کا ذکر بڑے القاب و آداب کے ساتھ کیا ہے، یہ القاب ہمارے زمانے کے من گھڑت اور بے بنیاد تعریف پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ان کی معنویت مسلم ہے، ان اسما میں سب سے پہلا نام امام ابو یوسف کا ہے۔ اس کے بعد موفق لکھتے ہیں کہ یہ جو اسامیں نے ذکر کیے ہے یہ سب اپنے زمانے کی نابغہ شخصیات ہیں، علم و فہم، بصیرت و بصارت، فقہ و حدیث، سیرت و تفسیر، نحو و حساب میں یکتائے روزگار ہیں، ان کے بغیر اجماع کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ جس امام یا فقیہ کے اصحاب علم و فقہ کے اس اوجِ ثریا پر ہوں ان کے اجتہاد اور فتووں کی گہرائی کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے، میں نے ان کے بارے میں وہی کہا ہے جو کہ فرزدق نے جریر سے کہا تھا:

أولئك أصحابي فجئني بمثلهم ۔۔۔ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اس کے بعد مصنف کی مذکورہ عبارت کا بیان ہے۔ دیکھیے: مناقب امام اعظم ابو حنیفۃ ج ۲ ص ۱۳۳

ابو درداا ور اُبی بن کعب میں سمٹا ہوا پایا، پھر میں نے دیکھا کہ ان چھ کا علم علی اور ابن مسعود میں موجود ہے۔(۱۵)

ابن جریر کہتے ہیں:

ابن مسعود کے علاوہ کسی کے ایسے اصحاب نہیں جنھوں نے ان کے فتووں اور فقہی مذہب کو قلم بند کیا ہو، ابن مسعود حضرت عمر کے قول کے آگے اپنا مذہب چھوڑ دیتے تھے اور بہت کم ہی ان کی مخالفت کیا کرتے بلکہ اختلاف کے وقت حضرت عمر کے قول کی طرف رجوع کر لیا کرتے۔

فقہائے صحابہ میں کچھ تو ایسے بھی تھے جو ابن مسعود کی علمی برتری کو دیکھتے ہوئے اپنے اصحاب کو ابن مسعود کی درسگاہ سے منسلک ہو جانے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اس کی واضح مثال حضرت معاذ بن جبل ہیں جنھوں نے اپنے ساتھی عمر بن میمون اودی کو کوفہ میں ابن مسعود کی درسگاہ میں حاضر ہو جانے کی وصیت کی۔ رامہرمزی نے انس بن سیرین سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ:

مَیں جب کوفہ آیا تو دیکھا کہ چار ہزار لوگ علم حدیث کی طلب میں مصروف ہیں، جب کہ صرف چار سو ایسے افراد دیکھے جو فقہ حاصل کر رہے تھے(۱۶)

مسلمانوں کا کون سا ایسا ملک تھا جہاں اتنی بڑی تعداد میں اس وقت فقہا و محدثین موجود تھے؟ ابن سیرین کی بات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کی بہ نسبت فقہا کی ذمہ داری کہیں زیادہ ہے اور یہ کہ ان کا کام محدثین سے زیادہ دشوار بھی ہے۔

عفان سے مروی ہے کہتے ہیں کہ:

ہم نے کوفہ میں چار مہینے قیام کیا، اس مدت میں اگر ہم ایک لاکھ حدیث لکھنا چاہتے تو لکھ لیتے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں۔ ہم نے حدیثیں لکھنے میں اس کا خیال رکھا کہ وہی حدیثیں لکھی جائیں جنھیں تلقی امت بالقبول حاصل ہو چکا ہو۔ صرف شریک کی حدیث ہم نے اس

(۲۱) امام کوثری نے آگے چل کر بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے، جو تانیب الخطیب کی بحث کا خلاصہ ہے۔ مزید افادے کے لیے تانیب الخطیب ص ۲۷۳ ملاحظہ کیجیے، وہاں اور بھی فوائد ہیں۔

لیے نہیں لکھی کہ انہوں نے ہمیں لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مدت میں ہم نے کوفہ میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو روایت حدیث کے معاملہ میں متساہل ہو۔ (۱۷)

کوفہ میں علما، فقہا اور قرا کی اس درجہ کثرت تھی کہ امام بخاری نے اس شہر کا سفر بے شمار مرتبہ کیا چنانچہ متعدد ممالک کے سفر کا ذکر کیا تو فرمایا کہ ''کوفہ کا سفر میں نے بے شمار مرتبہ کیا''۔

مذکورہ باتوں سے کوفہ کی علم حدیث، لغت، فقہ اور قرأت میں برتری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ وہ سارے علوم جماعت در جماعت کی شکل میں منتقل ہوتے رہے۔ کوفہ کے اسی ماحول میں ایک فقہی کمیٹی بھی تھی جو چالیس جلیل القدر علما پر مشتمل تھی، جس کے سربراہ امام ابوحنیفہ تھے، جو دلائل کی چھان پھٹک کر لینے اور مسائل کی اچھی طرح تحقیق کر لینے کے بعد تدوین کا حکم فرماتے تھے۔ ابن ابی العوام فرماتے ہیں:

مجھ سے طحاوی نے بیان کیا کہ انہوں نے ابن ابی ثور کو لکھا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے نوح ابوسفیان نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مغیرہ بن حمزہ نے کہا کہ ابوحنیفہ کے جن اصحاب نے ان کے کتابوں کی تدوین کی ان میں چالیس بڑے بڑے علما تھے۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

مجھ سے طحاوی نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن عبداللہ بن ابی ثور الرعینی کو لکھا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سلیمان بن عمران نے بیان کیا، ان سے اسد بن فرات نے وہ کہتے ہیں کہ ''ابوحنیفہ کے جن اصحاب نے کتابوں کی تدوین کا کام انجام دیا وہ چالیس علما تھے، ان میں دس علما اگلی صف میں رہا کرتے تھے اور ان دس میں جو پیش پیش رہا کرتے تھے ان کے اسما یہ ہیں: ۱- ابو یوسف، ۲- زفر بن ہذیل، ۳- داؤد طائی، ۴- اسد بن عمر، ۵- یوسف بن خالد سمتی (شوافع کے ایک شیخ) ۶- یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ آپ تیس سال تک امام کے لیے لکھتے رہے۔

اسی سند مذکور کے حوالے سے اسد بن فرات کہتے ہیں کہ اسد بن عمرو نے مجھ سے کہا:

لوگ ابو حنیفہ سے مسائل پوچھنے کے لیے آتے تو ان کے تلامذہ میں سے کوئی کچھ جواب دیتا کوئی کچھ جواب دیتا، یہ سارے جواب ابو حنیفہ کی خدمت میں پیش کیے جاتے، پھر آپ جواب طلب کرتے تو جو لوگ سب سے قریب ہوتے ان کی طرف سے جواب آتا، کسی کسی مسئلے پر یہ لوگ تین تین دن تک بحث ومباحثہ کرتے رہتے، پھر اسے دیوان میں قلم بند کیا جاتا۔

صیمری نے اسحاق بن ابراہیم کے حوالے سے ذکر کیا وہ کہتے ہیں کہ:

ابو حنیفہ کے اصحاب جب کسی مسئلے میں غور وفکر کرتے اور ان میں عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو کہتے ''ابھی مسئلے کو میرے پاس نہ لاؤ، جب عافیہ آجاتے تو ابو حنیفہ مسئلے پر بحث کے لیے کہتے اور اگر ان کی (عافیہ کی) موافقت ہوتی تو دیوان میں لکھنے کی اجازت دے دیتے ورنہ دیوان میں لکھنے سے منع کرتے۔(۱۸)

''معرفة التاريخ والعلل ''میں یحییٰ بن معین نے فضل بن دُکین سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے زفر کو کہتے ہوئے سنا کہ:

ہم لوگ ابو حنیفہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ابو یوسف اور محمد بن حسن بھی ہوتے، پھر ابو حنیفہ کے حوالے سے ہم لوگ مسائل لکھ لیا کرتے، ایک دن ابو حنیفہ نے ابو یوسف سے کہا ''اے یعقوب برا ہو تمہارا، مجھ سے سنی ہوئی تمام باتوں کو مت لکھا کرو، کیوں کہ کسی مسئلے سے متعلق میری رائے آج کچھ ہوتی ہے اور کل کچھ، پھر کل کچھ سوچتا ہوں اور دوسرے دن کچھ۔(۱۹)

غور کرنے کا مقام ہے کہ امام ابو حنیفہ مسائل کی تدوین میں کتنے غور وفکر سے کام لیا کرتے

(۲۲) الف: الانتقاء في فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء ج ۱/ص ۱۴۲

ب: الطبقات الكبرىٰ ج ۷/ص ۳۳۰

تھے کہ اگر کوئی ان کے اصحاب میں جلد بازی سے کسی مسئلے کو لکھنے کی کوشش کرتا تو فوراً اسے منع کرتے ۔ان واقعات میں اگر آپ غور کریں تو موفق کی (۴۰) نے جو کچھ کہا ہے اس کی تائید ہوتی ہے کہ:

> ابو حنیفہ نے اپنے مذہب کی بنا شوریٰ پر رکھی ہے، زبردستی اپنی رائے کو تھوپنے کی کوشش بھی نہیں کی، وہ چاہتے تھے کہ دین کے معاملے میں خوب اجتہاد کر لیا جائے اور اللہ، رسول و مومنین سے متعلق نصیحت میں خوب غور وفکر کر لیا جائے، یہی وجہ تھی کہ وہ ایک ایک مسئلے کو اپنے اصحاب کے بیچ پیش کرتے، ان سے اس کا جواب سنتے، اپنا جواب انہیں بتاتے، ایک ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ اس مسئلے پر مناقشہ ومباحثہ کرتے رہتے پھر جا کر کسی ایک قول پر اتفاق ہوتا اور ابو یوسف اسے اصول میں لکھ لیتے اور پھر وہی آخری اصول بن جاتا۔ مذہب ابو حنیفہ (جو منفرد مذہب ہے اور مسائل میں جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے) سے متعلق یہی بات زیادہ بہتر، حق سے زیادہ قریب اور دلوں کے لیے اطمینان کا باعث بھی ہے۔

عام طور پر امام ابو حنیفہ کا فقہ میں طریقہ کار یہ تھا کہ جب اپنے اصحاب سے کسی مسئلے کا ذکر کرتے تو اس میں ایک احتمال کا ذکر کرتے اور اس کو پوری قوت کے ساتھ تمام طرح کے دلائل سے مبرہن کرتے پھر اپنے اصحاب سے پوچھتے کہ آپ کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل موجود ہے؟ جب کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی اور دیکھتے کہ سب لوگ ان کی دلیل سے اتفاق کرتے ہیں تو خود اس میں نیا احتمال پیش کرتے اور پہلے احتمال کو رد کرتے یہاں تک کہ سامعین ان کی اس رائے سے متفق ہو جاتے، پھر اصحاب سے پوچھتے اس میں اگر کوئی اشکال ہو تو بتائیں، جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملتا تو پھر خود ہی تیسرا احتمال بتاتے اور اس کے دلائل کی توضیح بھی کرتے، پہلے کی طرح جب سب لوگ اس آخری رائے سے متفق ہو جاتے تو اصحاب سے اشکال

(۴۳) اخبار ابی حنیفة ج ۱ ص ۱۰۱

(۴۴) مناقب امام اعظم ابی حنیفه ج ۲ ص ۲۳۵

طلب کرتے، ان کی طرف سے کوئی اشکال نہیں ہوتا تو پھر نیا احتمال لاتے، اس طرح پھر خود ہی کسی ایک رائے کو دلائل کی روشنی میں راجح قرار دیتے۔ امام ابوحنیفہ کا اپنے اصحاب کو فقہ کی تعلیم دینے میں یہ امتیازی طریقہ تھا جو دیگر مذاہب میں نہیں ملتا ہے۔ مَیں نے اس طریقے کی مزید تشریح اپنی کتاب ''تانیب الخطیب'' (۲۱) ص ۱۴۰ میں کی ہے۔

امام ابویوسف کی نشونما ایسے علمی ماحول میں ہوئی جس کی فقہی سربراہی امام ابوحنیفہ جیسا بے مثل فقیہ کیا کرتا تھا، جس کا نتیجہ تھا کہ ان کا ذہن صیقل ہوگیا، فقہی افق کشادہ ہوگیا اور علم وفضل اور کارناموں میں اپنی مثال آپ ہوگئے۔

جب کہ امام ابویوسف کے دوسرے شیخ یعنی محمد بن ابی لیلیٰ فقہ میں ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ قضا میں بھی بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ اموی اور عباسی عہد میں منصب قضا پر فائز رہے، وہ اپنی قضا میں دو اہم شخصیتوں علی بن ابی طالب اور قاضی شُریح (جنہوں نے حضرت عمر کے زمانے سے لے کر حجاج بن یوسف کے زمانے تک قضا کا کام انجام دیا تھا) کی قضا سے مستفید ہوتے رہے۔ چنانچہ امام ابویوسف نے اپنے شیخ ابن ابی لیلیٰ سے بھی احکام قضا میں خوب استفادہ کیا۔ خلاصہ یہ کہ علم کے تمام دروازے امام ابویوسف کے لیے کھلے تھے اور تمام راہیں ان کے لیے ہموار تھیں۔

(۲۵) مرجع سابق ج ۲ ر ص ۲۳۲

(۲۶) مرجع سابق نفس الصفحہ

(۲۷) سیر اعلام النبلاء ج ۸/ص ۵۳۷۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ج ۱/ص ۲۹۲، ۲۹۳، تذکرہ نمبر ۲۷۳ کے تحت امام ابو یوسف کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تعریف وتوصیف کے بعد لکھتے ہیں: ولہ اخبار فی العلم والسیادۃ، قد أفردتہ وأفردت صاحبہ محمد بن الحسن رحمهما الله تعالی علیهما فی جزء اکبر۔ (ترجمہ: امام ابو یوسف کی علمی برتری سے متعلق بڑے اقوال ہیں، میں نے ان کا اور ان کے ساتھی محمد بن حسن کا تذکرہ ایک خاص جز میں کیا ہے)

امام ابو یوسف کا قوت حافظہ اور ذہانت

ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنے جز مسمی ''اخبار الحفاظ'' (جو دمشق کے ظاہریہ کتب خانے میں موجود ہے اور اس کے ابتدائی صفحات غائب ہیں) میں امام ابو یوسف کا ذکر ان سو حفاظ علمائے امت میں کیا ہے جو محض حفظ حدیث ہی میں معروف نہیں تھے بلکہ ذہانت اور قوت حافظہ کے انتہائی درجے پر فائز تھے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک سماع سے پچاس سے ساٹھ حدیثوں تک یاد کر لینا (یعنی سند کے ساتھ) ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

ابن عبدالبر نے ''الانتقاء'' میں ذکر کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا احمد بن محمد بن احمد نے، وہ کہتے ہیں ہم سے بیان کیا احمد بن فضل بن عباس نے، وہ کہتے ہیں کہ محمد بن جریر طبری نے ہم سے کہا کہ:

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بہت بڑے فقیہ، زبردست عالم اور بلند پایہ حافظ تھے، حدیث یاد کرنے کا طریقہ انہیں معلوم تھا، وہ کسی محدث

(۲۸) اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ ج ۱ ص ۱۰۳

(۲۹) اس حدیث کا متن اس طرح ہے: لا ضرر و لا ضرار – یہ حدیث ابن عباس، عبادہ ابن صامت، ابوسعید خدری اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث کی درج ذیل کتابوں کے علاوہ اور مختلف کتابوں میں موجود ہے: مسند امام احمد بن حنبل ۳۲۶/۵، حدیث نمبر ۲۲۸۳۰ـ ۳۱۳/۱، حدیث نمبر ۲۸۶۷ – سنن ابن ماجہ ۷۸۴/۲، حدیث نمبر ۲۳۴۱ – سنن دار قطنی ۲۲۷/۴، حدیث نمبر ۲۲۸/۴۳ـ ۳ـ۸۵، ۷۷/۳، حدیث نمبر ۲۸۸ – مستدرک علی الصحیحین ۶۶/۲، حدیث نمبر ۲۳۴۵۔

ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں: حدیث حسن، رواہ ابن ماجہ والدار قطنی وغیرهما مسندا، ورواہ مالک فی المؤطا مرسلا.. ولہ طریق یقوی بعضها بعضا (جامع العلوم والحکم ۳۰۲/۱) بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کے پاس جاتے تو پچاس ساٹھ حدیثیں ایک مرتبہ میں یاد کر لیتے اور جب اس محدث کی درسگاہ سے نکلتے تو وہ حدیثیں لوگوں کو اپنی یادداشت سے لکھا دیتے تھے، ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ تھا۔ (۲۲)

ٹھیک اسی واقعے کو ابن جریر نے ''ذیل المذیل'' میں بھی ذکر کیا ہے۔ صیمری نے اپنی کتاب ''اخبار ابی حنیفة و اصحابه'' میں اپنی سند سے حسن بن زیاد کے حوالے سے ذکر کیا کہ ان کا بیان ہے:

ہم ابو یوسف کے ساتھ حج کرنے گئے راستے میں ان کی طبیعت خراب ہوگئی تو ہم لوگ بئر میمون کے پاس ٹھہرے، سفیان ابن عیینہ کو ان کے بارے میں پتہ چلا تو وہ ان کی عیادت کے لیے آئے۔ ابو یوسف نے ہم لوگوں سے کہا کہ ابو محمد سے حدیثیں روایت کرلو، اس کے ساتھ ہی ابن عیینہ نے ہم سے چالیس حدیثیں بیان کیں، جب وہ جانے لگے تو ابو یوسف نے ہم سے کہا ''ابن عیینہ نے جو کچھ تم سے بیان کیا مجھ سے سن لو'' پھر ہم نے دیکھا کہ سفر کی تکان، علالت، ضعف و ناتوانی اور کبرسنی کے باوجود انہوں نے وہ چالیس حدیثیں اپنی یادداشت سے ہمارے سامنے بیان کردیں۔ (۲۳)

موفق مکی اپنی سند سے حسن بن ابی مالک کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ:

ہم لوگ ابو معاویہ کے پاس فقہ سے متعلق ان حدیثوں کی روایت کے لیے

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) یہ حدیث حسن ہے، ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ نے مسنداً اور مالک نے موطا میں مرسلاً روایت کی ہے، یہ مختلف طرق ہونے کی بنیاد پر قوی ہوگئی ہے۔

اسلام دین رحمت ہے، آسانیاں اور سہولت اس کی اہم خصوصیت ہے۔ جہاں بھی حقوق کی پامالی کا شبہ ہوا اسلام نے بڑی تاکید سے اسے منع کردیا اور رسول کریم ﷺ نے تکلیف کی تمام قسموں پر اپنے قول کے ذریعے پابندی لگادی۔ یہ حدیث فقہ اسلامی کے اہم اصولوں میں سے ہے بلکہ امام ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق فقہ کا دارومدار جن پانچ حدیثوں پر ہے، یہ حدیث ان میں سے ایک ہے۔ غرض کہ اگر کسی نے حدیث ''لاضرر ولاضرار'' کی گہرائی سمجھ لی اس نے فقہ کا پانچواں حصہ سمجھ لیا۔

جاتے تھے جو انہوں نے حجاج بن ارطاۃ سے روایت کی تھیں، ابو معاویہ نے ہم سے کہا کہ کیا تمہارے درمیان قاضی ابو یوسف نہیں ہیں؟ کہتے ہیں ہم نے جواب دیا ہاں وہ تو ہمارے درمیان موجود ہیں، ابو معاویہ نے کہا ابو یوسف کو چھوڑ کر تم لوگ میرے پاس حدیث لکھنے آتے ہو ہم لوگ حجاج بن ارطاۃ کے پاس حدیث کے لیے جاتے تھے، وہ ہمیں حدیث لکھایا کرتے جب کہ ابو یوسف انہیں حدیثوں کو یاد کرلیا کرتے تھے، جب ہم درسگاہ سے باہر آتے تو ابو یوسف کی یادداشت سے لکھا کرتے تھے۔ (۲۴)

موفق اپنی سند سے یحییٰ بن آدم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

ہارون رشید (جو زبردست فقیہ اور عالم دین بھی تھے) سے کسی نے کہا کہ آپ نے تو ابو یوسف کو ان کی حیثیت سے زیادہ درجہ دے دیا ہے؟ آخر آپ نے ایسا فیصلہ کیسے کیا؟ ہارون رشید نے کہا: مجھے ان کے مقام و مرتبہ کا پورا علم اور تجربہ ہے اس وجہ سے مَیں نے ایسا کیا ہے، خدا کی قسم مَیں نے ان سے علم کی جس شاخ کا بھی امتحان لیا اس میں اُنہیں کامل پایا۔

سنو وہ ہمارے ساتھ حدیث کے درس میں شرکت کے لیے جایا کرتے تھے، جو کچھ ہمارے شیخ بیان کرتے ہم لوگ اسے لکھ لیا کرتے مگر ابو یوسف نہیں لکھتے، جب مجلس ختم ہوتی تو محدثین ان کے پاس آتے اور اپنی نقل کردہ احادیث کی تصحیح ان کی یادداشت سے کرتے۔ فقہی بصیرت میں ابو یوسف کا ان کے معاصر علما میں کوئی بھی ہم پلہ نہیں تھا۔ عمر کے اعتبار سے چھوٹے تھے مگر بڑے بڑے علما وفقہا ان سے استفادے کے لیے آتے۔ درس دینے کے لیے بیٹھتے تو ان کے سامنے نہ تو کتاب ہوتی اور نہ ہی کاپی، ہمارے کام کاج (یعنی امور قضا) میں مصروف رہنے کے باوجود رات میں مطالعہ کرتے، پھر لوگوں سے پوچھتے ''تمہارا سوال کیا ہے؟''

(۳۰) مرجع سابق ج ا رص ۹۹ (۳۱) مرجع سابق ج ا رص ۱۰۰

لوگ مختلف نوعیت کے مسئلے دریافت کرتے، ابو یوسف اپنی خداداد ذہانت کی بنیاد پر ایسا جواب دیتے کہ ان کے معاصر علما جواب سن کر حیران رہ جاتے۔ ان سب کے علاوہ ان کی اہم خوبی یہ بھی تھی کہ وہ دین اور مذہب میں پختہ اور راسخ العقیدہ تھے۔ اگر تم لوگوں کو اعتراض ہے تو ان کی طرح کوئی دوسرا عالم بتاؤ۔ (۲۵)

امام ابو یوسف کے یہ ایسے جامع علمی اوصاف ہیں جن کا بیان امیر المؤمنین خلیفہ ہارون رشید نے کیا ہے۔ داؤد بن رشید کہتے ہیں کہ:

ابو حنیفہ کا ابو یوسف کے علاوہ کوئی اور شاگرد نہ بھی ہوتا تو بھی لوگوں پر فخر کرنے کے لیے ابو یوسف کافی تھے۔ مَیں نے تو ابو یوسف کو دیکھا کہ جب بھی وہ کسی علمی مسئلے میں بات کرتے تو ایسا لگتا کہ سمندر سے موتی نکال کر بکھیر رہے ہیں، مسئلہ علم حدیث کا ہوتا یا علم کلام کا، فقہ کا یا کسی اور باب کا ان سب کو نہایت آسان اور سہل اسلوب میں بیان کرتے چلے جاتے، ان کے لیے کچھ بھی دشواریاں نہیں ہوتیں۔ (۲۶)

ہلال ابن یحیٰ بصری جو ہلال الرائے سے معروف ہیں کہتے ہیں کہ ابو یوسف تفسیر، مغازی اور ایام عرب کے علاوہ جن علوم کے حافظ تھے ان میں ایک علم فقہ بھی ہے۔

یعنی علم فقہ بھی انہیں دیگر علوم کی طرح ازبر تھا۔

ذہبی کی روایت کے مطابق یحیٰ بن خالد کہتے ہیں کہ:

ابو یوسف ہمارے پاس آئے تو انہوں نے اپنے فقہ سے زمین و آسمان کو بھر دیا۔

یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ:

اصحاب رائے کے تلامذہ میں ابو یوسف سے زیادہ کسی کو بھی علم حدیث میں

---

(۲۲) مرجع سابق نفس الصفحہ

اثبت، احفظ اور اصح نہیں پایا۔

ٹھیک یہی روایت ابن ابی العوام نے بھی طحاوی کے حوالے سے ذکر کی ہے۔

علامہ ذہبی نے امام ابو یوسف کا تذکرہ حفاظ حدیث کے ذیل میں کیا ہے اور ایک خاص جز بھی ان کے مناقب میں تالیف کیا ہے، یہ مطبوعہ بھی ہے۔ (۲۷)

صیمری طحاوی کے طریقے سے روایت کرتے ہیں کہ:

امام ابو یوسف ایک مرتبہ کوفہ کے قاضی حجاج بن ارطاۃ کے پاس گئے تو باندی کے جنین کی قیمت کے بارے میں پوچھا، حجاج نے کہا ''اس کی قیمت اس کی ماں کی قیمت کا بیسواں حصہ ہونا چاہیے'' امام ابو یوسف نے کہا'' کیا ایسا نہیں ہے کہ آزاد عورت کا جنین جب کسی چوٹ یا مار کی وجہ سے مردہ پیدا ہو تو اس کی قیمت عشر ہوتی ہے اور اگر زندہ پیدا ہو پھر مر جائے تو اس کے عوض دیت دی جاتی ہے؟'' حجاج نے کہا ''ہاں ایسا ہی ہے'' امام ابو یوسف نے کہا'' آپ نے تو معاملہ الٹ دیا'' حجاج نے کہا'' وہ کیسے؟'' ابو یوسف نے کہا'' باندی کا جنین اگر مردہ پیدا ہو تو آپ کی تشریح کے مطابق اس کی قیمت زندہ پیدا ہو کر مر جانے سے زیادہ ہوگی، کیوں کہ ممکن ہے کہ زندہ پیدا ہونے کی صورت میں اس کی قیمت دو درہم ہو اور اس کی ماں کی قیمت سو درہم'' حجاج نے کہا'' برخوردار اگر آپ کی بات صحیح ہے تو برائے کرم لوگوں کے سامنے بیان مت کیجیے گا۔ (۲۸)

صیمری اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ:

ابو یوسف نے ایک مرتبہ ربیعۃ الرائی (جو امام مالک کے شیخ تھے) سے پوچھا کہ اس مسئلے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ ایک غلام دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو، ایک نے آزاد کر دیا تو کیا اس کا نفاذ ہوگا؟ ربیعہ نے کہا یہ جائز نہیں کیوں کہ اس میں ضرر ہے اور حدیث میں آیا کہ اسلام میں کسی قسم کی کوئی تکلیف کسی کو دینا جائز نہیں (۲۹) ابو یوسف نے کہا اگر دوسرے نے

بھی آزاد کر دیا تو پھر کیا حکم ہوگا؟ ربیعہ نے کہا جائز ہو جائے گا، ابو یوسف نے کہا آپ کا قول میں نہیں اپناؤں گا کیوں کہ اگر پہلے کا آزاد کرنا جائز نہیں تو اس کلام کا اعتبار ہی نہیں ہوا، پھر عتق کا نفاذ بھی نہیں ہوگا، جب دوسرے نے آزاد کیا تو بھی وہ غلام تھا، لہٰذا اب بھی آزاد نہیں ہوگا، اس توجیہ پر ربیعہ خاموش ہو گئے۔

طحاوی نے بھی اس واقعے کو (عن ابن ابی عمران عن ابن سماعۃ عن ابی یوسف) بیان کیا ہے، میں اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں کیوں کہ امام ابو یوسف کی ذہانت اور قوت حافظہ کے لیے یہی چند واقعات کافی ہیں۔

حدیث اور فقہ میں امام ابو یوسف کے مشائخ

امام ابو یوسف نے قضا کے احکام و مسائل قاضی محمد بن ابو لیلیٰ سے حاصل کیے۔ علم حدیث اور فقہ میں مہارت کے لیے امام ابو حنیفہ کی درس گاہ کا رخ کیا۔ ان دونوں ہی اماموں کی درسگاہ سے امام ابو یوسف نے فقہ اور ادلۂ شریعہ میں مہارت حاصل کی۔ امام ابو یوسف اپنے ان دونوں اساتذہ کا بہت ادب بجالایا کرتے تھے۔ ان کے علم کی نشر و اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ احمد بن عمار بن ابو مالک اپنے والد عمار کے حوالے سے امام ابو یوسف سے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہی نہ ہوتا۔ (۳۰)

ابن عمار کی یہ بات تو غلو پر مبنی ہے، اس سے خود امام ابو یوسف کو بھی اتفاق نہیں ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ دونوں امام نہ ہوتے تو ابو یوسف کی خود یہ حیثیت نہ ہوتی۔ خود امام ابو یوسف کا قول ہے جسے صیمری نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ:

> دنیا کی جن مجلسوں میں میں بیٹھتا ہوں ان میں ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ پسندیدہ مجلس میرے نزدیک اور کوئی نہیں، کیوں کہ ابو حنیفہ سے بڑا فقیہ میں کسی اور کو نہیں پاتا ہوں اور ابن ابی لیلیٰ سے اچھا قاضی میری نگاہ میں کوئی اور نہیں۔ (۳۱)

جی ہاں! ابو یوسف ان دونوں کے بڑے سعادت مند شاگرد تھے۔ ان کے علم و فضل کی ترویج و اشاعت میں لگے رہتے تھے۔ اور ان دونوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ امام ابو یوسف کی ہی ایک روایت کے مطابق ہر نماز کے بعد اپنے والدین سے پہلے امام ابو حنیفہ کی

---

(۳۲) مرجع سابق ج ا ص ۱۰۱

مغفرت کی دعا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت عطا فرمائے)۔ ابو یوسف کی اس روایت کو اگرچہ عمار بن ابو مالک نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم ذہبی اور ابن حجر نے اس کو صحیح کہا ہے۔

یوسف بن ابو سعد کہتے ہیں کہ ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ "ابو حنیفہ کے پاس میں انتیس سال تک جاتا رہا ہوں، کبھی بھی میری صبح کی نماز نہیں چھوٹی" جیسا کہ المنیۃ اور النافع الکبیر میں ہے۔

صیمری نے اپنی سند سے امام ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا کہ:

میں سترہ سال ابو حنیفہ کی صحبت میں رہا ہوں، اس اثنا میں مرض کے علاوہ کسی اور ایام میں میں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ (۳۲)

غالباً صیمری کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ سترہ سال تک ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہر وقت رہا کرتے تھے، ایک لمحے کے لیے بھی ان سے الگ نہیں ہوتے تھے اور پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ انتیس سال تک صرف صبح میں امام کے پاس جاتے رہے دیگر اوقات میں دیگر حلقۂ درس میں شامل ہوتے ہوں گے۔

اب ایک نظر امام ابو یوسف کے اساتذہ اور مشائخ پر ڈالتے ہیں:

(۱) ابان بن ابی عیاش (۲) احوص بن حکیم (۳) ابو اسحاق شیبانی (سلیمان) (۴) اسرائیل بن ابی اسحاق یونس (۵) اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر بجلی (۶) اسماعیل بن امیہ (۷) اسماعیل بن ابی خالد (۸) اسماعیل بن علیہ (۹) اسماعیل بن مسلم (۱۰) ایوب بن عتبہ (۱۱) بیان بن بشر (۱۲) ابو بکر بن عبد اللہ ہذلی (۱۳) ثابت ابو حمزہ ثمالی (آپ ترمذی کے رواۃ میں سے ہیں) (۱۴) ابن جریج عبد الملک (۱۵) ابو جناب یحییٰ کلبی (۱۶) حجاج بن ارطاۃ (۱۷) حریز بن عثمان (۱۸) حسن بن حی (۱۹) حسن بن دینار (۲۰) حسن بن عبد الملک بن میسرہ (۲۱) حسن بن علی بن عمارہ (۲۲) حصین بن عبد الرحمٰن سلمی (۲۳) حصین بن عمرو بن میمون (۲۴) حنظلہ بن ابی سفیان (۲۵)

☆☆(حاشیہ از مؤلف) مسئلہ خلق قرآن میں معتزلہ کے حامی تھے، ابو یوسف نے اپنے درس سے نکال دیا مگر پھر واپس آ گئے۔ ضروری یہ تھا کہ وہ اس مسئلے میں نہ پڑتے اگرچہ ان کی مراد دو جلدوں کے درمیان کا کلام اور پڑھنے والوں کی زبان پر جاری ہونے والے الفاظ تھے۔ فقہ میں ان کی مہارت کے باوجود ناقدین نے ان کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ چند سال پہلے شائع ہونے والی کتاب "نقض الدارمی" میں ان کے مخالفین نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔ عبد القاہر بغدادی نے اپنی کتاب "اصول الدین" صفحہ ۳۰۸ پر لکھا ہے کہ "مریسی ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے ہیں، بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

خصیف بن عبدالرحمٰن (۲۶) داود بن ابی ہند (۲۷) روح بن مسافر (۲۸) سری بن اسماعیل (۲۹) سعید بن ابی عروبہ (۳۰) سعید بن ابی مرزبان (۳۱) سعید بن مسلم (۳۲) سعید بن یحییٰ لخمی (۳۳) سفیان بن عیینہ (۳۴) ابوسفیان بن علا (۳۵) سلیمان تیمی (۳۶) سلیمان بن مہران اعمش (۳۷) سماک بن حرب (۳۸) طلحہ بن یحییٰ (۳۹) طارق بن عبدالرحمٰن (۴۰) عاصم بن ابی نجود (۴۱) عاصم احول (۴۲) عبداللہ بن سعید مقبری (۴۳) عبداللہ بن علی (۴۴) عبیداللہ بن عمر (۴۵) عبداللہ بن عمر (۴۶) عبداللہ بن محرر (۴۷) عبداللہ بن واقد (۴۸) عبداللہ بن ولید مدنی (۴۹) عبیداللہ بن ابی حمید (۵۰) عبیدہ بن ابی رائطہ (۵۱) عبدالرحمٰن ثابت (۵۲) عبدالرحمٰن بن عبداللہ مسعودی (۵۳) عبدالرحمٰن بن معمر (۵۴) عبدالملک بن میسرہ (۵۵) عتبہ بن عبداللہ (۵۶) عطا بن سائب (۵۷) عطا بن عجلان (۵۸) علا بن کثیر (۵۹) عمرو بن دینار (۶۰) عمرو بن عثمان (۶۱) عمرو بن مہاجر (۶۲) عمرو بن میمون بن مہران (۶۳) عمرو بن یحییٰ بن عمارہ (۶۴) عمر بن نافع (۶۵) غالب بن عبیداللہ (۶۶) غیلان بن قیس ہمدانی (۶۷) فضل بن مرزوق (۶۸) فطر بن خلیفہ (۶۹) قیس بن ربیع (۷۰) قیس بن مسلم (۷۱) کامل بن علا (۷۲) لیث بن سعد (۷۳) لیث بن ابی سلیم (۷۴) مالک بن انس (۷۵) مالک بن مغول (۷۶) مجالد

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) خلق قرآن کے مسئلہ میں معتزلہ کے حامی تھے اور خلق افعال میں معتزلہ کی تکفیر کر دی"۔ ابن تیمیہ نے "منہاج السنۃ" (جلد ۱/ص ۲۶۵) میں لکھا ہے کہ: "وہ مرجئی تھے نہ کہ معتزلی"۔ ان کی طرف بدعت کی نسبت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حقیقت کا صحیح علم ہے۔

ابن زنجویہ نے احمد بن حنبل سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ "قاضی ابو یوسف نے جس وقت بشر مریسی کو اپنی مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا میں اس مجلس میں موجود تھا، میں نے دیکھا کہ بڑے بوجھل قدموں سے وہ مجلس سے باہر نکلے، پھر میں نے دیکھا کہ وہ مجلس میں آ گئے۔ میں نے ان سے کہا کیا ہوا اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی تم پھر واپس آ گئے؟ انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ کل جو کچھ انہوں نے کیا اس کی وجہ سے علم سے اپنا حصہ نہیں ختم کر سکتا"۔

ابن ابی عوام نے بطریق طحاوی ذکر کیا کہ ابو یوسف بشر مریسی سے کہا کرتے تھے کہ اگر تمہاری رائے بری نہیں ہوتی تو تم بلا کے انسان تھے۔ صیمری نے کہا کہ ان کی بہت ساری تصنیفات اور روایات ابو یوسف کے حوالے سے ہیں۔ وہ بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے تاہم علم کلام سے شغف رکھنے کی وجہ سے لوگوں نے ان سے اپنا تعلق ختم کر لیا تھا۔ حسین نجار نے اپنا مذہب انہیں سے اخذ کیا ہے۔ ایک بار جب امام شافعی بغداد آئے تو ان سے بھی ملنے گئے تھے۔ (مؤلف)

بن سعید (۷۷) محمد بن اسحاق (صاحب المغازی) (۷۸) محمد بن ابی حمید (۷۹) محمد بن سائب
کلبی (۸۰) محمد بن سالم (۸۱) محمد بن طلحہ (۸۲) محمد بن عبداللہ بن عمرو بن شعیب (۸۳) محمد بن
عبیداللہ عرزمی (۸۴) محمد بن عمرو بن علقمہ (۸۵) مسعر بن کدام (۸۶) مسلم حزامی (۸۷) مطرف
بن طریف (۸۸) ابو معشر (۸۹) مغیرہ بن مقسم (۹۰) منصور بن معتمر (۹۱) منہال بن خلیفہ (۹۲
میسرہ بن معبد (۹۳) نافع مولی ابن عمر (۹۴) نصر بن طریف (۹۵) ابن ابی نجیح عبداللہ (۹۶
نعمان بن ثابت (۹۷) ورقا اسدی (۹۸) ولید بن عیسیٰ (۹۹) ہشام بن عروہ (۱۰۰) ہشام بن
سعید (۱۰۱) یحییٰ بن ابی انیسہ (۱۰۲) یحییٰ بن سعید انصاری (۱۰۳) یحییٰ بن عبداللہ تیمی (۱۰۳) یحیٰ
بن عمرو بن سلمہ (۱۰۴) یزید ابو خالد (۱۰۵) یزید بن ابی زیاد (۱۰۶) یونس بن ابی اسحاق۔

ان کے علاوہ اور بھی درجنوں ایسے مشائخ ہیں جن کا تعلق عراق، حجاز مقدس اور دیگر ملکوں
سے ہے، ان میں بعض ایسے ہیں جن پر بعض نقاد نے ضعف کا حکم لگایا ہے مگر علم رجال سے متعلق
فقہا کا خاص پیمانہ ہے جس کے ذریعے وہ ان کی روایتوں کو پرکھتے ہیں، وہ متشددین اہل جرح کی
نہج پر نہیں چلتے اور نہ ہی محض کسی راوی سے متعلق کسی کے کلام کی بنیاد پر ان کی جرح کرتے ہیں
خاص طور پر ایسی شخصیات پر کلام کرنے میں تامل سے کام لیتے ہیں جن کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھ
ہوتا تھا، جنہیں وہ قریب سے جانتے تھے اور جن کے حالات زندگی کا انہوں نے مطالعہ کیا تھا۔

---

(۳۴) حدیث بیع ولاء: امام شافعی فرماتے ہیں: أخبرنا محمد بن الحسن عن یعقوب بن ابراھیم عن عب
اللہ بن دینار عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما أن النبی ﷺ قال: الولاء لحمۃ کلحمۃ النسب
یباع و لا یوھب. (مسند امام شافعی ج۱ص۳۳۸ و کتاب الأم ج۴ص۱۲۵، ج۶ص۱۸۵)
''ولاء'' نسبی رشتے کی طرح ایک رشتہ ہے جس کو نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن حبان نے بھی ا
صحیح (ج۱۱ص۳۲۶) میں امام ابو یوسف کے واسطے سے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ا
شافعی کے واسطے سے اسی سند سے اس حدیث کی تخریج کی اور کہا ''یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے مگر امام بخاری ا
مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی'' (مستدرک الحاکم ج۴ص۳۷۹) بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

امام ابو یوسف کا تعلیم و تعلم سے شغف اور طلبہ کے ساتھ شفقت

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ مَیں زفر اور ابو یوسف کے پاس علم فقہ حاصل کرنے جایا کرتا تھا، ابو یوسف فقہ پڑھانے میں زفر سے زیادہ مہارت رکھتے تھے، میں جب کسی مسئلے سے متعلق پریشان ہو جاتا تو پہلے زفر سے پوچھتا، وہ اس کی توضیح کرتے تھے مگر میری سمجھ میں بات نہیں آتی تھی، جب مَیں ان سے بار بار پوچھتا تو جھنجلا کر کہتے ''تمہارے اندر صلاحیت ہی نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگے'' مَیں ان کے پاس سے افسردہ نکل جاتا اور ابو یوسف کے پاس آتا، وہ مسئلے کی توضیح کرتے اگر مجھے سمجھ میں نہیں آتا تو کہتے ''تھوڑا آرام کرلو'' پھر پوچھتے کیا اب بھی کچھ واضح نہیں ہوا؟ مَیں کہتا کچھ تو سمجھ میں آسکا ہے یہ اور بات ہے کہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکا، ابو یوسف کہتے ''کوئی بات نہیں تم بہت جلد اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے، صبر کرو میرا خیال ہے کہ تمہیں وہ مل جائے گا جو تم چاہتے ہو۔''

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ مَیں ابو یوسف کے اس صبر پر بڑا تعجب کیا کرتا تھا۔ امام ابو یوسف اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے ''اگر میرا بس چلتا کہ مَیں اپنے دل کی باتوں میں آپ سب کو شریک کرسکتا تو ضرور کرتا۔''

تعلیم و تعلم سے اس درجہ شغف تھا کہ وقت نزاع میں بھی مسائل کی تشریح سے باز نہ رہے۔ ابراہیم بن جراح کہتے ہیں کہ ابو یوسف بیمار ہوئے تو مَیں ان کی عیادت کے لیے آیا، مَیں

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) ولاء کا معنی: اگر غلام یا لونڈی آزاد ہونے کے بعد کچھ ترکہ چھوڑ کر فوت ہو جائے اور پھر اس کے ذوی الفروض اور عصبات نسبیہ وارث نہ ہوں تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو دیا جاتا ہے اس کو ولاء کہتے ہیں اور آزاد کرنے والے کو عصبہ سببی کہا جاتا ہے۔ (شرح صحیح مسلم غلام رسول سعیدی ج ۴ ص ۵۹)

نے دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے، جب ہوش آیا تو مجھ سے کہنے لگے ابراہیم یہ بتاؤ کہ ''پا پیادہ رمی جمار افضل ہے یا سواری پر؟'' مَیں نے کہا ''پا پیادہ'' انہوں نے کہا ''غلط'' مَیں نے کہا ''سوار ہو کر'' کہا ''اب بھی غلط ہے'' پھر ابو یوسف نے جواب دیا ''اگر رمی کے وقت ٹھہر کر دعا کرنا چاہتا ہے تو پیادہ افضل ہے اور اگر ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تو سواری پر افضل ہے''۔ اس کے بعد مَیں اٹھ کر ابھی دروازے کے پاس ہی آیا تھا کہ مَیں نے ایک آواز سنی پلٹ کر دیکھا تو وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔

ابن ابی عوام نے اپنی سند سے اس واقعے کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اسی طرح صیمری کی کتاب میں بھی ابو عبید (عن ابراہیم بن جراح) کے حوالے سے منقول ہے۔ اس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ مَیں نے کہا ''اس حال میں بھی آپ مسائل سے شغف رکھتے ہیں؟'' ابو یوسف نے جواب دیا ''کچھ حرج نہیں، درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس کی وجہ سے کامیاب ہونے والے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں''۔ کسی اور مقام پر امام ابو یوسف نے پیادہ رمی جمار کی حکمت کی طرف اشارہ اس طرح کیا کہ:

> اس میں اطمینان قلب زیادہ ہے اور دعا کی مقبولیت کا امکان بھی زیادہ ہے، اور سوار ہو کر رمی کی حکمت یہ ہے کہ بھیڑ سے جلد نجات مل جائے گی۔ (۳۴)

یہی وہ صبر تھا جس کی وجہ سے علم کی بے بہا دولت اور برکت سے مالا مال ہو گئے اور جس کی وجہ سے اللہ، رسول اور علما کے محبوب بن گئے۔

(۳۵)اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ ج ا/ص ۱۰۲

(۳۶)مرجع سابق ج ا/ص ۲۷

(۳۷)مذکورہ واقعے کی تفصیل اس طرح ہے: امام صیمری نے اپنی سند سے شریک کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اعمش کے پاس بیٹھے تھے اور یعقوب بھی ہماری مجلس میں تھے، اعمش نے ابو یوسف سے مخاطب ہو کر کہا ابو حنیفہ نے ابن مسعود کا قول عتق الامۃ طلاقھا (باندی کی آزادی دراصل طلاق ہے) کو ترک کیوں کر دیا؟ ابو یوسف نے کہا انھوں نے آپ کی روایت کردہ حدیث عن ابراھیم عن الاسود أن بریرۃ حین أعتقت خیرت سے استدلال کیا ہے، اعمش نے کہا ابو حنیفہ کو علمی مصادر کا پتہ بہت زیادہ ہے۔ اس روایت کے فوراً بعد امام صیمری نے اعمش کے حوالے سے ذکر کیا کہ وہ امام ابو حنیفہ سے مسئلہ دریافت کر رہے تھے اور ابو حنیفہ جواب دیتے جا رہے تھے اس پر اعمش نے پوچھا اس کی دلیل کیا ہے؟ امام نے جواب دیا آپ کی روایت کردہ فلاں حدیث، اس پر اعمش نے کہا آپ فقیہ لوگ ڈاکٹر ہیں اور ہم لوگ دوا بیچنے والے۔ (أخبار أبی حنیفۃ و أصحابہ ج ا/ص ۲۶)

مؤلف کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعمش نے امام ابو یوسف سے بات چیت کے دوران اس جملے کا استعمال کیا ہے جب کہ امام صیمری کے ذکر کردہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمش نے اس وقت امام ابو حنیفہ کی تعریف تو کی ہے مگر اس جملے کا استعمال نہیں کیا، یہ جملہ امام اعمش نے اس وقت کہا جب بذات خود ان کی گفتگو امام اعظم سے کسی مسئلے پر ہوئی اور امام اعظم نے انہیں حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تو اعمش نے کہا آپ لوگ ڈاکٹر ہیں اور ہم کیمسٹ، ایسا ہی مختلف کتابوں میں مذکور ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنے رسالے مختصر نصیحۃ لاھل الحدیث (ص ۱۲۴) پر ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث بریرہ کی تحقیق: امام ابو یوسف نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ روایت اسی سند سے حضرت عائشہ ام المومنین کے حوالے سے امام بخاری نے اس طرح بیان کی ہے کہ ام المومنین کا بیان ہے کہ انھوں نے بریرہ کو خرید کر آزاد کرنا چاہا تو ان کے مالکوں نے چاہا کہ ''ولاء'' کی شرط لگا دیں **(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)**

امام ابو یوسف کے تلامذہ

ذیل میں امام ابو یوسف کے چند تلامذہ کے اسما ملاحظہ کیجیے:

(۱) قاضی ابراہیم بن جراح مازنی (۲) ابراہیم بن سلمہ طیالسی (۳) ابراہیم بن یوسف بن

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) ام المومنین نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا "انہیں خرید لو کیوں کہ ولاء کا مستحق اس کا آزاد کرنے والا ہوتا ہے" ام المومنین کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا، ہمیں نے کہا لوگوں نے بریرہ کو بطور صدقہ دیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ۔ (صحیح بخاری ج ۲ رص ۵۴۳)

امام مسلم نے حضرت ام المومنین کے حوالے سے ذکر کیا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ کے واقعے میں تین مسائل ہیں (الف) ان کے مالکوں نے انہیں بیچنے کا ارادہ کیا تو اس کے ولاء کی شرط لگا دی، ہمیں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا، نبی ﷺ نے فرمایا اسے خرید لو اور آزاد کردو کیوں کہ ولاء کا حق دار اس کا آزاد کرنے والا ہوتا ہے (ب) آزاد ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اسے اختیار دیا تو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کیا (ج) لوگ انہیں صدقہ دیتے تھے اور وہ ہمیں ہدیہ دیتے تھے، ہمیں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا وہ ان کے لیے صدقہ ہے اور آپ لوگوں کے لیے ہدیہ ہے، اس سے کھاؤ۔ (صحیح مسلم ج ۱۴۳/۲)

حدیث بریرہ کی روشنی میں احناف نے یہ ثابت کیا ہے کہ منکوحہ باندی جب آزاد ہو تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح برقرار رکھے یا فسخ کردے، اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کا شوہر اس وقت آزاد ہے یا غلام، امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہا کا نظریہ یہ ہے کہ جس وقت باندی آزاد ہوئی اس وقت اگر اس کا شوہر غلام تھا تو اسے اختیار حاصل ہوگا اور اگر اس کا شوہر آزادی کے وقت آزاد تھا تو اسے حق خیار حاصل نہیں ہوگا، احناف نے اپنے موقف پر دیگر صحیح احادیث اور آثار سے دلائل دیے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر ج ۶ رص ۴۷)

(۳۸) امام ابو یوسف سے اعمش نے کوئی مسئلہ پوچھا تو امام ابو یوسف نے مسئلے کی پوری توضیح کردی، اعمش نے پوچھا اس کی دلیل کیا ہے تو امام ابو یوسف نے کہا آپ کی روایت کردہ حدیث پھر اس حدیث کا بیان بھی کر دیا، اس پر اعمش نے کہا یہ حدیث میں نے اس وقت یاد کی تھی جب آپ کے والدین کی آپس میں ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ (اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ج ۱ رص ۱۰۲)

(۳۹) سیر اعلام النبلاء ج ۸ رص ۵۳۷۔

میمون بلخی (۴) ابو ابراہیم بن معبد (۵) احمد بن حنبل (آپ نے امام ابو یوسف سے تین ٹن یعنی بے شمار علم حاصل کیا) (۶) احمد بن محمد بن عیسیٰ سکونی (۷) احمد بن منیع الحافظ (۸) اسحاق بن فرات کندی (۹) اسحاق بن ابی اسرائیل (۱۰) اسد بن فرات (آپ نے سحنون سے پہلے امام مالک کے مذہب کی تدوین کیا) (۱۱) اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ (۱۲) اسماعیل بن فضل (۱۳) اشرف بن سعید نیساپوری (۱۴) بشار بن موسیٰ خفاف بصری (۱۵) بشر بن غیاث ابو عبدالرحمٰن مریسی ☆ (۱۶) بشر بن معلّی (۱۷) بشر بن ولید کندی (۱۸) بشر بن یزید ابی ازہر نیساپوری (۱۹) ابوبکر (آپ امام ابو یوسف کے بھانجے ہیں) (۲۰) توبہ بن سعد مروزی (۲۱) جعفر بن یحییٰ برمکی (۲۲) حسن بن ایوب ابو علی نیساپوری (۲۳) حسن بن زیاد لؤلوی (۲۴) حسن بن زیاد بن عثمان بن حماد زیادی ابو حسان (۲۵) حسن بن شعیب (۲۶) حسن بن ابی مالک (۲۷) حسن بن مسہر (۲۸) حسین بن ابراہیم بن حر بغدادی اشکاب (۲۹) حسین بن حفص اصفہانی (۳۰) حسین بن ولید (۳۱) حفص الفرد (۳۲) حماد بن دلیل (۳۳) حیان بن بشر بن مخارق (۳۴) خالد بن صبیح (۳۵) ابو خطاب (آپ امام ابو یوسف کے کاتب تھے) (۳۶) خلف بن ایوب بلخی (۳۷) داؤد بن رشید خوارزمی (۳۸) ابو زید سعید بن ربیع ہروی (۳۹) سورہ بن حکم (۴۰) سھل بن مزاحم (۴۱) شجاع بن مخلد (۴۲) شعیب بن سلیمان کیسانی (۴۳) شقیق بن ابراہیم بلخی (۴۴) عباس بن ولید (۴۵) ابو عباس طوسی (۴۶) عبداللہ بن عمر بن غانم رعینی (۴۷) عبدالرحمٰن بن عبداللہ عمری (۴۸) عبدالرحمٰن بن مسہر (۴۹) عبدالرحمٰن بن مہدی (۵۰) عبدوس بن بشر رازی (۵۱) عثمان بن بحر الجاحظ (۵۲) عثمان بن حکیم (۵۳) عرزم بن فروہ (۵۴) عصام بن ابو یوسف بلخی

---

(۴۰) ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق علامہ شہاب الدین ہارون بن بہاء الدین قازانی حنفی (پ:۱۲۳۳ھ۔و:۱۳۰۶ھ) کی کتاب ہے، علامہ مرجانی اپنے وقت کے زبردست عالم دین اور محقق تھے، ان کے علاقے قازان اور بلغار میں عشا کی نماز کے وقت کا مسئلہ بڑا اہم تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ عشا کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا تھا کہ طلوع فجر ہو جایا کرتی تھی۔ مؤلف نے اپنی اس کتاب میں اس مسئلے پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور یہ مسئلہ علامہ ابن عابدین نے بھی اپنے حاشیہ رد المحتار میں مطلب فی فاقد وقت العشاء کاھل بلغار کے تحت ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم مصری کا بھی ایک رسالہ رفع الغشاء عن وقتی العصر والعشاء اسی موضوع پر ہے، اس کا قلمی نسخہ جامعۃ الازہر کی لائبریری میں موجود ہے، اس مسئلے کے علاوہ کتاب میں طبقات فقہائے احناف پر بھی محققانہ بحث موجود ہے۔ امام کوثری نے کتاب کے قلمی نسخے سے استفادہ کیا ہے مگر اب یہ کتاب ترکی سے چھپ چکی ہے۔

(۵۵) حافظ علی بن جعد جوہری (جعدیات آپ کی مشہور تالیف ہے) (۵۶) علی بن حجر مروزی (۵۷) علی بن حرملہ کوفی (۵۸) علی بن خشرم (۵۹) علی بن صالح جرجانی (۶۰) علی بن صبیح (۶۱) علی بن عمروس قرظی (۶۲) علی بن مدینی (۶۳) علی بن مسلم طوسی (۶۴) عمار بن عبدالملک ابو

---

(۴۱) ابن کمال کا پورا نام شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا (پ: ۸۷۳ھ۔ و ۹۴۰ھ) ہے، شہرت ابن کمال پاشا، کمال پاشازادہ، اور وزیر ابن کمال سے ہے، اپنے زمانے کے زبردست عالم اور محقق تھے، سلطنت عثمانیہ میں قضا اور تدریس جیسے اہم عہدے پر فائز رہے، رسائل کی شکل میں متعدد علمی اور تحقیقی کارنامے موجود ہیں، ایک رسالہ طبقات الفقہاء ہے۔ علامہ شامی نے اپنے رسالے عقود رسم المفتی (جو دراصل ان کے اپنے ہی منظوم رسالے کی شرح ہے) میں ابن کمال کے رسالے پر اعتماد کیا ہے، اس کے اقتباسات سے استفادہ کیا اور دلائل کے طور پر ذکر بھی کیا ہے۔ ابن عابدین کا یہ رسالہ مجموعہ رسائل کے ضمن میں راقم کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔

☆ حمد وثنا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے، درود وسلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ، ان کی آل اور ان کے تمام اصحاب پر۔

یاد رکھو کہ فقہا کے سات درجات ہیں۔

اول: مجتہد فی الشرع کا طبقہ ہے، جن میں ائمہ اربعہ سرفہرست ہیں اور اسی درجے میں وہ دوسرے علما بھی ہیں جنہوں اصولی قاعدوں کی بنیاد رکھی اور ان قواعد کی روشنی میں ادلۂ اربعہ یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کا استنباط کیا، انہوں نے نہ تو کسی اصول اور نہ ہی کسی فروع میں کسی کی تقلید کی۔

دوم: مجتہد فی المذہب: اس میں ابو یوسف، محمد اور ابو حنیفہ کے وہ تمام اصحاب ہیں جنہوں نے مذکورہ دلائل کی روشنی میں ان قواعد کے مطابق احکام کے تخراج پر قدرت کا مظاہرہ کیا جو ان کے استاذ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے متعین کیا تھا، انہوں نے اگر چہ بعض فرعی احکام میں مخالفت کی مگر اصولی قواعد میں انہیں کے مقلد رہے، اسی بنیاد پر وہ اپنے مذہب کے مخالفین سے ممتاز بھی نظر آتے ہیں، جیسے شافعی وغیرہ جو ابو حنیفہ کے احکام میں مخالف تھے اور ان کے اصول کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

سوم: مجتہد فی المسائل: یہ ایسی جماعت ہے جو اصول اور فروع کسی میں بھی اپنے شیخ کی مخالفت پر قدرت نہیں رکھتی تھی، اس کے باوجود جن مسائل میں امام سے کوئی نص موجود نہیں تھی ان کے احکام کا استنباط انہیں قواعد کی روشنی میں کیا جو ان کے امام نے متعین کر دیے تھے۔ اس جماعت میں خصاف، ابو جعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی خاں وغیرہ سرفہرست ہیں۔

چہارم: اصحاب تخریج: اس کی مثال رازی اور ان کے اصحاب ہیں۔ یہ لوگ اجتہاد پر اصلاً قادر نہیں مگر اصول اور ماخذ پر گہری نگاہ رکھنے کی وجہ سے مجمل مسائل کی تفصیل، مبہم اور محتمل مسائل جو صاحب مذہب یا ان کے کسی مجتہد اصحاب سے منقول ہے کے حکم پر قدرت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اصول پر وسیع نظر ہونے کے ساتھ ساتھ فروعی مسائل کے امثال و نظائر کی روشنی میں قیاس کی صلاحیت کے بھی مالک ہوتے ہیں۔ ہدایہ میں بعض مقام پر جو یہ الفاظ "ایسا ہی تخریج کرخی اور ایسا ہی تخریج رازی میں ہے" آئے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یقظان مروزی (۶۵) عمر بن حماد (۶۶) عمرو بن ابی عمرو حرانی (۶۷) عمرو بن محمد ناقد (۶۸) عمرو بن ولید الاعصف (۶۹) فرات بن نصر ہروی (۷۰) فرج بن عبداللہ مولی ابو یوسف (۷۱) فضل بن حاتم (۷۲) فضل بن غانم (۷۳) فضیل بن عیاض (۷۴) قاسم بن حکم عرنی (۷۵) قتیبہ بن اسد (۷۶) محمد بن ابراہیم بن ابی سکینہ (۷۷) محمد بن بکر بن خالد القصیر ابوجعفر (آپ امام ابو یوسف کے کاتب ہیں) (۷۸) محمد بن حسن شیبانی (۷۹) محمد بن خالد حنظلی رازی (۸۰) محمد بن ابی رجا خراسانی (۸۱) محمد بن سماعہ تمیمی (۸۲) محمد بن صباح (۸۳) محمد بن عمرو بن سری المصر فی (۸۴) مخلد بن خالد (۸۵) معلیٰ بن منصور رازی (۸۶) موجہ ابوعمرو مروزی (۸۷) موسیٰ بن سلیمان جوز جانی (۸۸) ابو موسیٰ انصاری (۸۹) ابن ابی نجدہ (۹۰) نصر بن عبدالکریم بلخی (۹۱) وکیع بن جراح (۹۲) ہشام بن عبدالملک ابو ولید طیالسی (۹۳) ہشام بن عبیداللہ رازی (علمانے انہیں ابو یوسف سے روایت فقہ میں ضعیف قرار دیا ہے) (۹۴) ہشام بن معدان (امام ابو یوسف کے کاتب تھے) (۹۵) ہلال بن یحییٰ رائی بصری (آپ ہلال الرائے سے مشہور ہیں، احکام الوقف آپ ہی کی تالیف ہے) (۹۶) ہیثم بن خارجہ (۹۷) ہیثم بن موسیٰ (۹۸) یحییٰ بن آدم (۹۹) یحییٰ بن عبدالصمد (۱۰۰) یحییٰ بن معین (۱۰۱) یحییٰ بن یحییٰ نیسابوری (۱۰۲) یوسف قاضی صاحبزادہ امام ابو یوسف، جنھوں نے اپنے والد سے "کتاب الآثار" روایت کی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے ایسے علما ہیں جن کو امام ابو یوسف سے شرف تلمذ حاصل

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) پنجم: مقلد علما میں اصحاب ترجیح کی جماعت: اس کی مثال ابو حسین قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ ہیں، یہ علما ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح اور فوقیت دینے کی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں، اس کے لیے وہ "یہ اولیٰ ہے، یہ درایتاً زیادہ صحیح ہے، یہ روایتاً زیادہ صحیح ہے، یہ قیاس کے زیادہ موافق ہے اور یہ لوگوں کے زیادہ مناسب ہے" جیسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

ششم: یہ مقلد علما کی ایسی جماعت ہے جو اقویٰ، قوی، ضعیف، ظاہر مذہب، ظاہر روایت، روایات نادرہ کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کی مثال متاخرین میں معتبر متون کے مؤلفین مثلاً صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ، اور صاحب مجمع ہیں۔ یہ علما اپنی کتاب میں مردود اقوال اور ضعیف روایتیں ذکر نہیں کرتے ہیں۔

ہفتم: یہ وہ جماعت ہے جو مذکورہ تمام صلاحیتوں سے عاری ہو، مسائل میں فرق نہ کر سکتی ہو، جو کچھ بھی سامنے آتا ہے حاطب لیل کی طرح اکٹھا کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے لیے بڑی تباہی ہے اور جو ان کی اتباع کرے ان کے لیے دوہری تباہی ہے۔ اول و آخر حمد و ثنا اللہ کے لیے۔ یہاں ابن کمال وزیر کا رسالہ "طبقات الفقہا" ختم ہوتا ہے۔ (مؤلف)

ہے، ان میں کچھ ایسے ہیں جو امام ابوحنیفہ کے درس میں امام ابو یوسف کے ساتھی تھے، کچھ ایسے ہیں جو امام ابو یوسف کی درسگاہ میں امام محمد کے شریک رہے اور پھر امام محمد سے بھی اخذ علم کیا۔ امام ذہبی کے مطابق بہت سارے فقہا امام ابو یوسف کی درسگا کے تربیت یافتہ ہیں، بڑے بڑے جلیل

(۴۲) مدینہ منورہ میں تابعین کی ایک جماعت کو علم وفقہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، ابوزناد کے مطابق ان کی تعداد سات ہے اور ان کے اسمایہ ہیں: (۱) سعید بن مسیب (۲) عروہ بن زبیر (۳) قاسم بن محمد (۴) خارجہ بن زید (۵) ابوبکر بن عبدالرحمٰن (۶) سلیمان بن یسار (۷) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ (سیر أعلام النبلاء، ج ۴/ص ۴۱۷) کسی نے ان سب ناموں کو آسانی سے یاد رکھنے کے لیے شعری قالب میں اس طرح ڈھالا ہے:

اذا قيل من في العلم سبعة أبحر　　روايتهم ليست عن العلم خارجة

فقل هم عبيد الله، عروه، قاسم　　وبكر، سليمان، خارجة

(اعلام الموقعين عن رب العلمين، ص ۱۹)

(ترجمہ: اگر کوئی آپ سے سات متبحر شخصیات کے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجیے وہ عبیداللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان اور خارجہ ہیں)

سیر اعلام النبلاء (ج ۴/ص ۴۵۲) میں ہی ابوزناد کے حوالے سے ہے کہ فقہائے مدینہ چار ہیں (۱) سعید (۲) عروہ (۳) قبیصہ (۴) عبدالملک بن مروان

سیر أعلام النبلاء (ج ۴/ص ۳۵۳) پر یحییٰ القطان کے حوالے سے مذکور ہے کہ فقہائے مدینہ کی تعداد دس ہے، پھر انہوں نے بطور مثال آبان بن عثمان اور سعید بن مسیب کا ذکر کیا۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر (ج ۵/ص ۵۸) انہوں نے قاسم کا شمار بھی انہیں دس میں کیا ہے۔ علامہ مزی نے یحییٰ القطان کے ہی حوالے سے ان سب ناموں کی تخریج اس طرح کی (۱) سعید بن مسیب (۲) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (۳) قاسم (۴) سالم (۴) عروہ بن زبیر (۵) سلیمان بن یسار (۶) عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ (۷) قبیصہ بن ذویب (۹) آبان بن عثمان (۱۰) خارجہ بن زید بن ثابت۔

(تہذیب الکمال ج ۲/ص ۱۷

تہذیب الاسما میں مذکورہ چھ فقہا کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتویں شخصیت کے بارے میں کہا کہ اس میں تین اقوال ہیں، اول ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، دوم: سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، سوم ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہاشم۔ (تہذیب الاسماء ج ۱/ص ۴)

مذکورہ سات اور دس کسی میں بھی ربیعۃ الرائے کا نام اگرچہ نہیں ہے تاہم مدینہ منورہ کی ایک ذی علم شخصیت اور مشہور فقہا میں ان کا شمار ضرور ہوتا ہے، وہ امام مالک کے شیخ بھی ہیں، خطیب نے تاریخ بغداد (ج ۸/ص ۴۲۱) ابن حجر نے تہذیب التہذیب (ج ۳/ص ۲۲۳) ابن حبان نے مشاہیر علماء الامصار (ج ۱/ص ۸۱) اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (ج ۶/ص ۹۱) میں تابعی اور مدنی مفتی وفقیہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کی نگاہ سے یقیناً کوئی ایسا قلمی نسخہ گزرا ہوگا جس میں ربیعۃ الرائے کا شمار فقہائے سبعہ میں کیا گیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

القدر ائمہ نے بھی ان سے روایت کی ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ امام شافعی نے اپنی کتاب ''الام'' اور ''مسند'' میں ان کی روایت کو محمد بن حسن کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ حدیث ''بیع ولا'' اس کی ایک واضح مثال ہے (۳۴)۔ ابن تیمیہ، ابن حجر اور سخاوی کے مطابق امام شافعی ابو یوسف کے معاصر تھے مگر ملاقات نہیں ہوئی۔ جہاں تک ''مسانید ابی حنیفة'' میں امام شافعی کی بعض روایتیں بلاواسطہ امام ابو یوسف سے ہیں تو اس میں سبقت قلم کا دخل ہے، جو اصل میں ''عن یوسف'' یعنی ''ابی'' کے بغیر ہے اور یہ یوسف بن خالد سمتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆ قاضی اسماعیل کے بارے میں اس غلو کے باوجود قاضی مذکور کے بارے میں داؤد ظاہری نے جو بات لکھی ہے وہ بھی انصاف سے بعید ہے (مؤلف)

اجتہادی شان اور اصول وفروع میں مہارت

انتھک کوشش سے دلائل کی روشنی میں احکام فرعیہ کے استنباط کا نام اجتہاد ہے۔ مجتہد مطلق کی شرط یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ کے لغوی اور شرعی معنی پر افرادی اور ترکیبی دونوں اعتبار سے کامل دسترس ہو۔ یوں ہی علم حدیث کا پورا علم، سند اور متن پر گہری نظر، موارد اجماع کا علم اور شرعی قیاس کے اسباب کی معرفت وغیرہ مجتہد مطلق کی شرطوں میں سے ہے۔ اس کی تفصیل اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔

امام ابو یوسف کوفہ میں امام ابو حنیفہ کی سربراہی میں چلنے والی فقہی کونسل کے اہم رکن تھے، مسائل کی تحقیق وتدقیق، دلائل کی تمحیص اور جوابات کی تدوین کے لیے امام ابو حنیفہ کے ساتھ کام کرنے والی ٹیم میں بھی انتیس سال تک ابو یوسف نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یہاں تک کہ امام کی وفات ہوگئی۔ اس اثنا میں ابو حنیفہ کی مکمل مصاحبت تو نہیں کی، کبھی آتے اور جاتے بھی رہے تاہم سترہ سال کی مکمل مصاحبت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ابو یوسف جیسا ذہین، حیرت انگیز قوت حافظہ کا مالک، علم وفن کا شائق جب اس طرح کی علمی مجلس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتا رہا ہو تو خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے کتنا کچھ حاصل کیا ہوگا۔ یقیناً بہت کچھ حاصل کیا ہوگا۔ اجتہاد کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے میں بھی اس نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہوگی بلکہ اجتہاد مطلق کا درجہ بھی حاصل کرلیا ہوگا اگرچہ بطور امتنان وتشکر اپنے استاذ کے مذہب ہی سے اپنے آپ کو منسوب رکھا۔

دوسری طرف امام ابو حنیفہ نے خود یہ کہا کہ ابو یوسف اپنے طبقے میں روئے زمین پر سب سے بڑے عالم ہیں۔ اس بات کا ذکر طحاوی نے اسد بن فرات کے حوالے سے اور خطیب نے اپنی تاریخ

میں کیا ہے۔ حافظ، فقیہ امام علی بن جعد نے ''جعدیات'' میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابو یوسف کی
طرح کوئی اور عالم نہیں دیکھا۔ اس پر امام طحاوی کے شیخ ابن ابی عمران نے یہ تعلیق لگائی کہ:

ثوری، حسن بن صالح، مالک، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد، شعبہ بن حجاج جیسی بلند قامت
علمی شخصیات کو علی بن جعد نے دیکھا تھا۔ (۳۵)

جیسا کہ صیمری نے ان کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اس سے ابو یوسف کی علمی برتری کا
بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اعمش کا یہ قول بھی ابو یوسف کے فضل کو ثابت کرتا ہے کہ ''آپ لوگ طبیب
ہیں اور ہم لوگ دوا بیچنے والے'' (۳۶)۔ اعمش نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب انہیں ک
روایت کردہ حدیث ''بریرہ'' (۳۷) سے استنباط کر کے امام ابو یوسف نے ایک مسئلے کا جواب بتا
تھا۔ اعمش کی یہ بات بھی ابو یوسف کے قوت استنباط کو ثابت کرتی ہے کہ ''میں نے آپ کے والدی
کے آپس میں ملنے سے پہلے اس حدیث کو روایت کیا تھا اور اب اس کی تاویل کا علم ہوا۔ (۳۸)

طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد نے تو یہاں تک کہا کہ:

ابو یوسف اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانے میں کوئی بھی ان
سبقت حاصل نہیں کر سکا۔

یحییٰ بن خالد نے کہا:

جب ابو یوسف ہمارے پاس آئے تھے تو سب سے کم جس علم میں انہیں درک تھا وہ علم فقہ
مگر دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنے فقہ سے آسمان وزمین کو سیراب کر دیا۔ (۳۹)

حافظ عبداللہ بن داؤد خریبی نے کہا (جیسا کہ ابن ابی عوام نے اپنی سند سے تخریج کی) کہ:

''امام ابو یوسف کی فقہ پر اتنی وسیع نظر تھی کہ اس کا استعمال جس طرح چاہتے کرتے''۔ بلک
زفر بن ہذیل جیسی ذہین وفطین اور حاضر دماغ شخصیت سے ابو یوسف کا مناظرہ ہوا تو امام ابو حنیفہ۔
ابو یوسف کی برتری کی گواہی دی۔ ابو یوسف کی قوت حافظہ تو ضرب المثل ہے، آثار پر ان کی گہری نظ
اور اس سے استدلال پر سب کا اتفاق بھی ہے۔ ایسی ذی شعور، بالغ نظر شخصیت کے اجتہاد مطلق ک
درجے پر فائز ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔

مجتہدین کی درجہ بندی بڑی مشہور چیز ہے۔ پہلا درجہ مجتہد مطلق کا ہے، جس کا انتساب کسی اور

طرف نہیں کیا جاتا، دوسرا درجہ وہ مجتہد مطلق جو کسی اور مجتہد کی طرف منسوب ہو۔ تیسرا درجہ مجتہد مقید کا ہے، جو کسی مذہب کا پیروکار ہو اور اپنے امام کے اصول کی روشنی میں مسائل میں اجتہاد کرتا ہو۔ جیسا کہ ابن حجر نے ''شن الغارۃ'' میں ذکر کیا ہے اور عبدالحی لکھنوی نے ''النافع الکبیر'' میں ان سے نقل کیا اور اسی طریقے پر احمد بن عبدالرحیم (شاہ ولی اللہ) دہلوی نے ''الانصاف فی مسائل الخلاف'' میں بیان کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ بحث وتمحیص کا پورا حق انہوں نے ادا نہیں کیا تاہم ان کی بات صواب اور درستگی سے اس سے زیادہ قریب ہے جو وزیر ابن کمال نے فقہ کی درجہ بندی اور فقہا کی تقسیم سے متعلق کہا ہے۔ ابن کمال مذکورہ دونوں چیزوں یعنی طبقات کی ترتیب اور فقہا کی تقسیم میں

---

(۴۳) حدیث حجر کی تحقیق: حدیث حجر امام بیہقی نے اپنی سند سے اس طرح نقل کی ہے: ابو یوسف القاضی یعقوب ابراهیم حدثنا هشام بن عروة عن ابیه أن عبد الله بن جعفر أتی الزبیر بن العوام فقال انی اشتریت كذا و كذا و ان علیا یرید أن یأتی امیر المؤمنین عثمان یعنی فیسأله أن یحجر علی فیه فقال الزبیر رضی الله تعالی عنه انا شریكك فی البیع وأتی علی عثمان فذكر ذلك له، فقال عثمان رضی الله تعالی عنه كیف أحجر علی رجل فی بیع شریكه فیه الزبیر (سنن بیہقی الکبری ج۶ ص۶۱)

(ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر زبیر بن عوام کے پاس آئے اور کہا میں نے فلاں فلاں سامان خریدا ہے اور علی کا خیال ہے کہ امیر المومنین عثمان ان سے دریافت کریں کہ وہ مجھ پر پابندی عائد کرسکتے ہیں، زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا میں تو اس بیع میں تمہارا شریک ہوں، وہ خود عثمان کے پاس آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا میں اس شخص کی بیع پر کیسے کچھ پابندی لگا سکتا ہوں جس کے شریک زبیر ہوں)

امام بیہقی نے اس سے پہلے ایک اور روایت ہشام بن عروہ ہی کے حوالے سے نقل کی ہے اس کے رواۃ میں ابو یوسف کا نام نہیں ہے، اس روایت میں مسئلے کی نوعیت زیادہ واضح ہے، لکھتے ہیں:

عبداللہ بن جعفر نے چھ لاکھ درہم میں ایک زمین خریدی تو علی اور عثمان رضی اللہ تعالی عنہما نے چاہا کہ ان کی اس بیع کو روک دیں، ابن جعفر کی ملاقات زبیر بن عوام سے ہوئی، انہوں نے کہا کہ میں نے جتنی سستی زمین خریدی ہے کسی نے بھی نہیں خریدی، پھر ابن جعفر نے حضرت علی اور عثمان کے ارادے کا اظہار کیا، ابن عوام نے کہا میرے پاس اگر مال ہوتا تو میں آپ کا شریک ہو جاتا، ابن جعفر نے کہا کہ میں آپ کو آدھا مال بطور قرض دیتا ہوں، ابن عوام نے کہا تو پھر میں آپ کا اس بیع میں شریک ہوں، پھر ان کے پاس حضرت علی اور عثمان آئے اور کہا آپ لوگ کس بات پر اتفاق کر رہے ہیں، ابن جعفر کے تصرفات تو ممنوع ہیں، ابن عوام نے کہا آپ لوگ ایسے شخص کے تصرف پر پابندی لگا رہے ہیں میں جس کا شریک ہوں، حضرت علی وعثمان نے کہا بخدا ہم اس پر کچھ پابندی عائد نہیں کرتے، ابن عوام نے کہا کہ میں ان کا شریک ہوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سے کسی میں بھی درستگی پر قائم نہیں رہ سکے، یہ اور بات ہے کہ بعض مقلدین کی طرف سے انہیں بڑی پذیرائی ملی۔ ابن کمال نے جو کچھ کہا اس پر عبدالحی لکھنوی کو کچھ تحفظات تھے جس کا ازالہ شہاب مرجانی نے اپنی کتاب ''ناظورۃ الحق'' (۴۰) میں کردیا ہے۔ مرجانی نے ایسی تنقید کی جس سے ابن کمال کی دونوں ترتیبوں کی عمارت گر گئی اور عبدالحیؒ لکھنوی کا شرح صدر بھی ہوگیا۔

یہاں میں ابن کمال (۴۱) کے رسالے ''طبقات فقہا'' سے مجتہدین کی درجہ بندی حاشیے میں لفظ بلفظ نقل کرتا ہوں☆ تاکہ ان کی ترتیب و تقسیم (جس کا رد کیا جاچکا) پر قارئین مطلع ہوسکیں۔ یونہی اس کتاب کے آخر میں مرجانی کی تعقیب کا بھی ذکر کروں گا۔ یہ تعقیب اگرچہ طویل ہے تاہم اس کی ضرورت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور ساتھ ساتھ ابن کمال کی باتوں سے جو لوگ دھوکے میں آگئے ہیں ان کے لیے تنبیہ بھی ہوگی۔ یونہی یہ بھی پتہ چل سکے گا کہ ابن کمال نے کس طرح ابو

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) حجر ایک فقہی مسئلہ ہے۔ لغت میں اس کا معنی مطلقاً روکنا ہے اور فقہ میں کسی انسان کو اپنے مال میں تصرف سے روک دینے کا نام حجر ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق کسی شخص کو اپنے حق کا استعمال کرنے سے روک دینے یا حجر کے تین اسباب ہیں:

(الف) چھوٹا بچہ جس کے اندر معاملات میں فرق کی صلاحیت موجود ہو مگر سن رشد تک نہ پہنچا ہو

(ب) معتوہ جس کے پاس عقل نہ ہو

(ج) سفیہ یعنی بیوقوف شخص

تیسرے سبب یعنی سفاہت کے تحت علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ سفاہت خلاف شرع کام کرنے اور اتباع نفس کا نام ہے، بر واحسان اور مالی تصرفات میں اصلاً تسامح شریعت کے اعتبار سے مندوب ہے مگر سفاہت اور اسراف کے طور پر شرعاً اور عرفاً دونوں ہی طرح مذموم ہے، یہی وجہ ہے کہ سفاہت کی وجہ سے اہلیت ختم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی سفاہت کو عذر سمجھ کر شرعی احکام ساقط ہوتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سفاہت کی وجہ سے انسان کو تصرفات سے نہیں روکا جائے گا بلفظ دیگر سفاہت کی وجہ سے کسی شخص کے تصرفات پر پابندی لگانا جائز نہیں جب کہ امام ابو یوسف، محمد اور شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خیال ہے کہ ایسے تصرفات میں جس میں فسخ کا احتمال ہے سفاہت باعث حجر ہے اور سفاہت کی وجہ سے سفیہ شخص کے تصرفات پر پابندی لگانا جائز ہے۔ تاہم صاحبین سفیہ پر اس پابندی کی بنیاد خود سفیہ کی ذات کو قرار دیتے ہیں اور امام شافعی زجر و توبیخ کو اس کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ صاحبین اور امام شافعی نے اپنے موقف پر قرآن، حدیث اور آثار صحابہ سے دلیل پیش کی ہے، جن میں ایک دلیل وہی امام ابو یوسف کی روایت کردہ مذکورہ حدیث ہے۔ ابن زبیر چوں کہ تجارتی امور میں مہارت رکھتے تھے اس لیے جب علی و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پتہ چلا کہ ابن زبیر عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ تجارت میں شریک ہیں تو ان کے تصرفات کو جائز قرار دیا (ملخصاً المبسوط ج ۲۴ ص ۱۵۸)

یوسف اوران کے امثال کو مجتہد فی المذہب کی فہرست میں شمار کر دیا ہے اور کس طرح انہیں ان کے مراتب سے فروتر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو لوگ رجال کی درجہ بندی میں مہارت رکھتے ہیں ان سے یہ بات بالکل پوشیدہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ مرجانی نے ابو یوسف، زفر، محمد بن حسن کے بارے میں کہا کہ ''ان فقہا کا علم اگر مالک، شافعی اور ان کے امثال سے زیادہ نہیں تو ان سے کچھ کم بھی نہیں'' جیسا کہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

سچ یہ ہے کہ اجتہاد کے اعلیٰ اور ادنیٰ دو کنارے ہیں اور ان دو کناروں میں بھی مختلف درجات ہیں، پھر ان درجات کے درمیان بھی بڑا فرق ہے۔ کسی فقیہ کا مرتبہ صرف اس سے ظاہر نہیں ہو جاتا کہ اس کا شمار مجتہد مطلق مستقل کے طبقے میں کر لیا جائے۔ کیوں کہ بہت سارے ایسے علما ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو کسی مجتہد مطلق مستقل کی طرف منسوب ہی کرنا پسند کیا اس کے باوجود مستقل مجتہد سے مرتبہ میں برتر ہیں۔ ائمہ متبوعین کو دیکھیے تو ان میں صحیح معنوں میں استقلال کا معنیٰ نہیں پایا جاتا تو پھر جو ان کے بعد آئے ان کا کیا حال ہوگا کیوں کہ ابو حنیفہ اپنے اکثر افکار میں ان فقہائے عراق کی پیروی کرتے ہیں جو علی اور ابن مسعود کے اصحاب اور ان کے اصحاب کے اصحاب ہیں۔ ابراہیم نخعی اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام مالک بن انس نے ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان دونوں کے اصحاب اور ان کے اصحاب کے اصحاب کا طریقہ اختیار کیا جس کا سلسلہ مدینے کے فقہائے سبعہ (۴۲) اور ان کے اصحاب تک پہنچتا

(۴۴) کتاب میں مذکور عبارت اسی طرح ہے جو غالبا کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔ مؤلف کا اصل نام شرف الدین ابو القاسم بن عبد العلیم یمنی، قرشی، حنفی ہے اور کتاب کا اصل نام قلائد عقود الدر والعقیان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمان ہے (دیکھیے: کشف الظنون ج ۲/ص ۱۳۵۴) حاجی خلیفہ نے اسی مؤلف کی کتاب الروضۃ العالیۃ المنیفۃ فی فضائل الامام ابی حنیفۃ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

یہ کتاب شرف الدین ابو قاسم بن عبد العلیم (یہاں کشف الظنون کے اس مطبوعہ نسخے میں ''عبد العلیم'' ہے جب کہ ج ۲/ص ۱۳۵۴ پر عبد الحلیم ہے اور یہی صحیح ہے) یمنی حنفی کی ہے۔ اس کتاب سے پہلے انہوں نے مناقب امام ابو حنیفہ کے موضوع پر ہی ایک کتاب بنام ''قلائد عقود الدر والعقبان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمان تالیف کی ہے (کشف الظنون ۱/۹۲۷)

(۴۵) أخبار أبی حنیفۃ وأصحابہ ج ۱/ص ۱۰۰

(۴۶) مرجع سابق

(۴۷) مرجع سابق ص ۱۰۲

ہے۔ربیعہ الرائے اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امام شافعی نے ابن عباس، ان کے اصحاب اور مکہ میں ان کے اصحاب کے اصحاب کا طریقہ اپنایا، جن میں مسلم بن خالد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ساتھ ساتھ عراق اور حجازی فقہ کے سمندر سے بھی استفادہ کیا۔امام شافعی اپنے قدیم نظریات میں امام مالک کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے رہے یہاں تک کہ عیسیٰ بن ابان نے ان کا رد کیا، اور جدید فقہی نظریات میں مستقل ہونے کے باوجود ان پر امام محمد کے مسائل کا غلبہ نظر آتا ہے۔کوئی مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی کسی مسئلے میں موافقت کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ اس کا مقلد ہے، بلکہ اس لیے کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی مسئلے کا حکم دلیل کی روشنی میں اسی طرح واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے مجتہد کے نزدیک اس کا حکم ہوتا ہے۔ابن خزیمہ اور ابن منذر اپنے اس دعوے سے کہ ''جب سے وہ شعور کی منزل میں پہنچے ہیں کسی کی تقلید نہیں کی'' مستقل مجتہد کے درجے تک بالکل نہیں پہنچ سکتے۔محمد بن عبدالحکم نے جب امام شافعی کا زبردست رد کیا تو اس کے پیچھے ابن خزیمہ ہی کا ذہن کارفرما تھا جنھوں نے ابن حکم کی مدد کی تھی اور ابن منذر کا کیا کہنا وہ جب کسی مسئلے کا ذکر کرتے تو اس کی نسبت اصل قائل کے علاوہ کسی اور کی طرف کر دیتے ضعیف کو قوی بنا کر پیش کرتے اور قوی کو ضعیف بنا دیتے۔ابو بکر قفال، ابو علی بن خیران اور قاضی حسین سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہوگئی ہے۔یہ لوگ اپنے اس دعوے سے بھی امام شافعی کے طبقے میں شامل نہیں ہو سکتے جیسا کہ ظاہر ہے۔متقدم نے علم وفضل اور تدوین میں جو کچھ کمال حاصل کیا اس سے متاخر کو ناشکر گزار نہیں بننا چاہیے۔مذہب مالکی میں جو لوگ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے اور جنھوں نے سارے علوم میں مہارت حاصل کر لی تھی ان کا ذکر کرتے ہوئے ابو الولید باجی لکھتے ہیں ''ابن فرحون کے مطابق امام مالک کے بعد یہ مقام صرف اور صرف قاضی اسماعیل کو حاصل ہوا''☆ باجی کے اس قول اور ابن عرفہ نے جو اپنے بعض مشائخ کے لیے اجتہاد کا دعویٰ کیا ہے، میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔اسی طرح امام تلمسانی مالکی کے صاحبزدگان ابو زید

(۴۸) کتاب الثقات ج ۷/ص ۶۴۶، تذکرہ نمبر ۱۱۸۸۱

(۴۹) کتاب الثقات لابن حبان ج ۷/ص ۶۴۷، تذکرہ نمبر ۱۱۸۸۱

اور ابو موسیٰ کے تذکرے میں مالکیہ کا یہ اختلاف بھی مذکور ہے کہ ابن قاسم مجتہد فی المذہب ہیں یا امام مالک کے مقلد ہیں۔ امام نووی نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں امام مزنی کے تذکرے میں امام الحرمین کے حوالے سے نقل کیا ہے:

> میں دیکھتا ہوں کہ مزنی نے جو بھی قول پسند کیا ہے اس کی حیثیت تخریج کی ہے، کیوں کہ وہ ابو یوسف اور محمد کی طرح شافعی کے اقوال کی مخالفت نہیں کرتے ہیں، وہ دونوں تو اپنے امام کی اصول میں مخالفت کرتے ہیں۔

امام نووی کے مطابق مزنی مجتہد فی المذہب کے درجے میں ہیں جب کہ ابو یوسف اور محمد مجتہد فی المذہب کے درجے سے اوپر ہیں کیوں کہ وہ اگرچہ اپنا انتساب امام کی طرف کرتے ہیں تاہم اصول اور فروع دونوں ہی میں امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں، جہاں تک کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ ابو یوسف اور محمد اس وقت تک کوئی مسئلہ بیان نہیں کرتے جب تک کہ وہ اپنے امام سے سن نہ لیں تو ان شاء اللہ اس کا ذکر ہم ایک خاص فصل میں آگے کریں گے۔

امام ابو یوسف ارباب علم و دانش کی نظر میں

امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں ابو یوسف کا تذکرہ حفاظ حدیث کے ضمن میں کیا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ:

ابو یوسف کے علم اور سرداری سے متعلق متعدد روایات موجود ہیں، مَیں نے ان کا اور ان کے ساتھی محمد کا تذکرہ خاص جز میں کیا ہے۔

ذہبی نے اپنے جس جز میں ابو یوسف کا تذکرہ کیا ہے وہ مطبوعہ ہے۔ ذہبی نے ابو یوسف کے مناقب میں ثناء الائمة علی ابی یوسف کے عنوان کے تحت بڑے اچھے کلمات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

اسد بن فرات نے محمد بن حسن کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ:

ابو یوسف بیمار ہوئے تو ابو حنیفہ ان کی عیادت کے لیے آئے، جب باہر آئے تو زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ نوجوان روئے زمین پر سب سے بڑا عالم ہے"۔

عباس دوری نے امام احمد بن حنبل کے حوالے سے بیان کیا کہ:

حدیث لکھنے کے لیے سب سے پہلے مَیں قاضی ابو یوسف کے پاس گیا، ان سے مَیں نے بہت ساری حدیثیں لکھیں، اس کے بعد حدیث کے لیے کسی اور کے پاس گیا، اور ابو حنیفہ اور محمد سے زیادہ ہمارا جھکاؤ ابو یوسف کی طرف تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ تین سال میں تین ٹن یعنی بہت زیادہ حدیثیں میں نے ابو یوسف سے نقل کیں۔

محمد ابراہیم بن ابی داؤد برلسی نے یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ:

حدیث سے متعلق اصحاب رائے میں ابو یوسف سے زیادہ اثبت، اصح اور احفظ کسی کو نہیں پایا۔

عباس دوری نے ابن معین سے روایت کی کہ ابو یوسف صاحب روایت اور صاحب سنت ہیں۔

محمد بن سماعہ نے یحییٰ بن خالد کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ابو یوسف جب ہمارے پاس آئے تو اس وقت انہیں فقہ میں مہارت نہیں تھی مگر ایک ایسا وقت آیا کہ پوری روئے زمین ان کے فقہ سے بھر گئی۔

بشر بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ اعمش نے ایک مرتبہ مجھ سے کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کیا، میں نے اس کا جواب دے دیا۔ اعمش نے پوچھا آپ نے کس دلیل کی بنیاد پر یہ جواب دیا؟ کہا وہی حدیث میری دلیل ہے جس کو آپ نے روایت کیا ہے۔ اعمش نے کہا" اے یعقوب مجھے یہ حدیث اس وقت سے یاد ہے جب کہ آپ کے والدین بھی آپس میں نہیں ملے تھے (یعنی آپ کی پیدائش سے پہلے سے) مگر آج مجھے اس کا معنی معلوم ہوسکا ہے۔

ابن ثلجی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد خریبی کو کہتے ہوئے سنا کہ:

ابو یوسف کو فقہ یا علم (راوی کو شک ہے) پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ جس طرح چاہتے اسے استعمال کرتے۔

عمرو بن محمد ناقد کہتے ہیں کہ مجھے اصحاب رائے میں سے ابو یوسف کے علاوہ کسی سے بھی روایت کرنا پسند نہیں تھا کیوں کہ وہ صاحب حدیث تھے۔

حنبل کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا کہ ابو یوسف حدیث میں منصف تھے۔

قاضی ابو حازم نے بکر اعمیٰ کے حوالے سے ہلال الرائے سے روایت کی کہ ابو یوسف تفسیر، مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے ان کا ایک بڑا علم فقہ تھا۔

مزنی نے فرمایا ابو یوسف ان میں حدیث کے سب سے زیادہ پابند تھے۔

احمد بن عطیہ نے محمد بن سماعہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو یوسف منصب قضا پر فائز ہونے

کے بعد روزانہ دوسو رکعت (نفل) نماز پڑھا کرتے تھے۔

عباس نے یحییٰ بن معین کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو یوسف اصحاب حدیث سے محبت کرتے تھے اور ان کی طرف ان کا رجحان زیادہ تھا۔

عبداللہ بن علی بن مدینی اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب ابو یوسف ۱۸۰ھ میں بصرہ آئے تو ہم لوگ ان کے پاس جایا کرتے تھے، وہ ایک طرف دس حدیثیں ذکر کرتے تو دوسری طرف دس آرا کا تذکرہ کرتے۔ میرے والد نے یہ بھی کہا کہ ابو یوسف کی صرف ایک حدیث جو ہشام بن عروہ سے حجر (۴۳) سے متعلق ہے مجھے مل سکی ہے اور وہ سچے تھے۔

یہاں تک جو بھی ابو یوسف کے مناقب بیان ہوئے وہ امام ذہبی کے جز کا حصہ تھے۔

حارثی اپنی سند سے حسین بن ولید کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

> ابو یوسف جب بات کرتے تو لوگوں کو حیران کر دیتے اور لوگ ان کی باریکی سے تعجب میں پڑ جاتے۔ میں نے ایک دن دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی دقیق اور گنجلک مسئلے پر بات کر رہے تھے، وہ اتنی صفائی اور تیزی کے ساتھ بات کر کے گزر گئے جیسا کہ تیر گزر جاتا ہے۔ باریکی کی وجہ سے حاضرین میں سے کوئی بھی مسئلہ نہیں سمجھ سکا، ہم لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح علم کو ان کے لیے مسخر اور آسان بنا دیا ہے۔

ابوالقاسم شرف الدین بن عبدالعلیم قرطبی نے اپنی کتاب قلائد عقود العقیان فی مناقب ابی حنیفة النعمان (۴۴) کی آخری فصل (جو ابو یوسف کے مناقب سے متعلق ہے) میں کہا کہ صیمری نے حسن بن ابی مالک سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے جب بھی کوئی نماز پڑھی اس کے بعد ابو حنیفہ کے لیے اللہ سے دعا کی اور مغفرت

(۵۰) املا، واحد ہے اور امالی جمع ہے، املا یا امالی کی تعریف یہ ہے کہ شیخ کے تلامذہ اس کے اردگرد قلم اور کاغذ لے کر بیٹھیں اور شیخ جو کچھ درس دے، طالب علم اسے لکھتا رہے، اس طرح ایک کتاب کی شکل تیار ہو جاتی ہے۔ اس مجموعہ کو "املا" "امالی" کہتے ہیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۱۶۱)

(۵۱) الفہرست لابن ندیم ج ۱ ص ۲۸۶

(۵۲) تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۵

طلب کی'' اور کہتے ہیں کہ علی بن ابی صالح جب ابو یوسف کے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرتے تو کہتے مجھ سے سب سے بڑے فقیہ، قاضی القضاۃ، سید العلما ابو یوسف نے حدیث بیان کی۔(۴۵)

بشر بن ولید نے کہا'' تم ان کی تعظیم نہیں کرتے؟ ان کی بڑائی کا اعتراف نہیں کرتے، میں نے ان کے جیسا کسی کو نہیں دیکھا'' (۴۶) (یاد رہے کہ بشر نے ابن ابی ذئب اور شعبہ جیسے محدثین کو دیکھا تھا)

صیمری نے طحاوی کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن ابی عمران کو کہتے ہوئے سنا کہ علی بن جعد نے ہمیں کچھ املا کروایا اور کہا اخبرنا ابو یوسف (اس وقت ابن جعد کی مجلس اہل علم سے بھری ہوئی تھی) ایک شخص نے کہا اے ابوالحسن کیا آپ ابو یوسف کی بات کر رہے ہیں؟ علی بن جعد نے سمجھا کہ ابو یوسف کا نام اس طرح لینا مناسب نہیں، لہٰذا انہوں نے کہا جب ابو یوسف کا ذکر کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے منھ کو گرم پانی اور اشنان سے پہلے دھولیا کرو، پھر کہا خدا کی قسم میں نے ان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا۔(۴۷) (ابن ابی عمران کا قول گزر چکا، ابن جعد نے ثوری، حسن بن صالح، مالک، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد، اور شعبہ بن حجاج جیسے علما کو دیکھا تھا)

قرطبی نے ابو یوسف کے بارے میں یہ بھی کہا کہ وہ ثقہ اور صدوق ہیں، نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔

احمد بن کامل شجری (آپ اخبار القضاۃ کے مؤلف اور ابن جریر کے ساتھی ہیں) نے کہا یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، اور علی بن مدینی نقل کرنے میں ابو یوسف کی ثقاہت میں کچھ بھی اختلاف نہیں رکھتے تھے۔

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ہمارے اصحاب پر طعن کے باوجود ابو یوسف کے تذکرے میں لکھا کہ:

وہ ان مشائخ میں سے تھے جو حفظ و اتقان کے درجے پر ہیں (۴۸) ہم اُن

(۵۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۸، تذکرہ نمبر ۲۶۷، سیر أعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۷۹ تذکرہ نمبر ۱۰۰

(۵۴) کشف الظنون میں ہے کہ ابو یوسف کے یہ امالی فقہ میں ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ تین سو سے زیادہ جلدوں پر مشتمل ہے۔(دیکھیے: ج ۱ ص ۱۳۶)

لوگوں میں سے نہیں کہ جس کو ہم برا سمجھیں اس بارے میں لوگوں کو وہم میں رکھیں اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہیں جو کسی پر ظلم کو روا سمجھے بلکہ جو انسان جرح یا تعدیل کا مستحق ہے، اس کو اس کا حق دیتے ہیں، زفر اور ابو یوسف کی عدالت ظاہر ہو جانے کی وجہ سے ہم نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے اور جو ان کے مشابہ نہیں ان کو ہم نے ضعفا میں شمار کیا ہے، جن سے احتجاج صحیح نہیں۔

پھر ابن حبان نے ابو یوسف اور ان کے بیٹے کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا:

مَیں نے ابن قحطبہ کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے محمد بن صباح کو کہتے ہوئے سنا، ان سے کسی نے کہا کہ ہشیم سے آپ نے کیوں نہیں لکھا؟ جواب دیا کہ مَیں کسی دن بھی ہشیم کی مجلس کو نہیں چھوڑتا تھا، ایک مرتبہ مَیں نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے اس کا صحیح جواب نہیں دیا تو مَیں نے ان کی مجلس چھوڑ دی اور ابو یوسف کی مجلس اختیار کر لی، ابو یوسف نیک انسان تھے، ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

(ابن حبان کی کتاب الثقات کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں نمبر ۱۷۱ کے تحت موجود ہے) (۴۹)

قاضی وکیع نے اخبار القضاۃ میں حسین بن محمد بن ابی معشر کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف حیرہ میں ابو معشر کے لیے لکھنے کا کام انجام دیتے تھے۔

محمد بن اشکاب سے مروی ہے، انہوں نے عمرو بن حفص بن غیاث سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حجاج بن ارطاۃ ہمیں املا نہیں کراتے تھے اور ابو یوسف ان سے سوال کیا کرتے، جب حجاج جانے لگتے تو لوگ ابو یوسف کے پاس جاتے وہ اپنی یادداشت سے سب کچھ املا کرا دیا کرتے۔ حفص کہتے ہیں کہ مَیں وہی لکھتا تھا جو میرے سینے میں موجود ہوتا۔

---

(۵۵) جرکسی حکومت: سلاطین قلاوون نے اپنی حکومت میں جرکسی غلام جن کا تعلق بحر قزوین اور اسود کے مابین واقع علاقے سے تھا، کی ایک تعداد خرید کر اپنی حکومت میں نیا دستہ ترتیب دینے کا ارادہ کیا، سلاطین قلاوون کے بعد ان مملوکیوں کا اثر و رسوخ حکومت کے داخلی معاملات میں بڑھتا گیا یہاں تک کہ انہوں نے حکومت کا کنٹرول سنبھال لیا اور ۷۸۴ھ سے ۹۲۳ھ (مطابق ۱۳۸۲ء سے ۱۵۱۷ء) تک مکمل ایک سو چونتیس برس حکومت کی۔ اس مدت میں ان کے ۲۳/ امیروں نے حکومت کی۔ ان مملوکیوں کو جراکسہ ان کے اجداد کی طرف نسبت کی وجہ سے کہا جاتا ہے، یوں ہی ان پر برجیہ کا بھی اطلاق اس لیے کیا جاتا ہے کہ سلطان قلاوون نے قلعہ کے برجوں میں اس لیے ٹھہرایا تھا کہ ممالیک کی دیگر قسموں اور شہری باشندوں سے ان کا اختلاط نہ ہونے پائے۔

ابوعبداللہ صیمری نے اخبار ابی حنیفة و اصحابه میں اور حافظ ابوالقاسم بن ابی العوام نے فضائل ابی حنیفة و اصحابه میں ابو یوسف کے مناقب کا پوری طرح ذکر کیا ہے۔ خطیب بغدادی ہمارے اصحاب سے متعلق کج فکری کے باوجود (جس کا بیان میں نے اپنی کتاب تانیب الخطیب میں کیا ہے) ابو یوسف کے مناقب سے چشم پوشی نہیں کر سکے بلکہ اچھی باتوں کا ذکر کیا جن میں سے بعض بطریق طحاوی اور صیمری ذکر کیں ہیں۔ خوف خدا کا پاس کیے بغیر کچھ بے بنیاد اور دخیل کا ذکر بھی غیر معتبر اسناد کے ساتھ کیا ہے۔ موفق مکی کی کتاب مناقب ابی حنیفة اور صاحب فتاوی بزازیہ کی کتاب مناقب ابی حنیفة میں ابو یوسف کا تذکرہ شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے۔ اول یعنی موفق مکی نے روایتوں کا ذکر کامل سند کے ساتھ کیا ہے، جس سے رجال پر دسترس رکھنے والے قاری کے لیے صحیح اور سقیم کو پرکھنا آسان ہو گیا ہے۔ دوم یعنی صاحب فتاوی بزازیہ نے بغیر سند کے واقعات کا ذکر کیا ہے، لہٰذا روایتوں کی تہہ تک پہونچنے کے لیے اصول کی طرف رجوع سے چھٹکارا نہیں۔ مسند ابی حنیفة کے مؤلف قاضی کبیر ابن عوام کی ثقاہت سے متعلق کسی طرح کے کلام کی گنجائش نہیں، ان کی کتاب کا ذکر پہلے آ چکا ہے، یہ نسائی اور طحاوی کے معزز اصحاب میں سے ہیں، اہل علم نے ان کا تذکرہ اچھے انداز میں کیا ہے، ۳۳۵ھ کے آس پاس ان کا انتقال ہوا ہے۔ قضاعی نے اپنی کتاب قاضی احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن حارث سعدی معروف بہ ابن ابی العوام (عن ابیه عن جده ابی القاسم) (یہ کتاب کے مؤلف ہیں) کے حوالے سے روایت کی ہے۔ اس کی سند اعلیٰ درجے کی صحت پر ہے، اس سے وہی شخص نابلد رہ سکتا ہے جو بڑا جاہل ہے یا ایسا شخص جس کے دل میں کچھ خرابی ہے۔ نفس پرستی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

سداسیات الرازی کی روایت قضاعی کے حوالے سے بسند ابی العوام یعنی مؤلف کے طور پر ہے۔ ذہبی نے اپنے جس جز میں علیحدہ ابو یوسف کا تذکرہ کیا ہے اس میں بڑے فوائد ہیں۔ اسی طرح ابوالقاسم قرطبی اور علامہ نوح بن مصطفیٰ قونوی نے جو ابو یوسف کا تذکرہ کیا ہے اس میں بھی بڑی مفید باتیں ہیں۔ اسی طرح زیلعی نے بھی ابو یوسف کے مناقب سے متعلق ایک علیحدہ جز لکھا ہے۔ ہم اپنے ائمہ کرام کی تعریف میں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علم سے نفع پہنچائے۔

(۵۶) جہمیہ کون ہیں اور ان کے نظریات کیا تھے حاشیہ نمبر ۶۰ میں ملاحظہ کیجیے۔

امام ابو یوسف کی تصنیفات

امام ابو یوسف کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں، اہل علم نے ان سب کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے مگر جو ہم تک پہنچ سکی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان میں سے الآثار ایک ہے، اس میں فقہی دلائل کا بیان ہے، اس کی اکثر روایتیں ابو حنیفہ سے مروی ہیں۔ ابو یوسف کی ایک مسند بھی ہے، کتابوں میں ان کے حوالے سے اس کا ذکر ملتا ہے، ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا، ہم تک پہنچنے والی ایک کتاب اختلاف ابن ابی لیلیٰ و ابی حنیفۃ ہے اور ایک دوسری کتاب الرد علی سیر الاوزاعی ہے۔ کتاب الخراج یہ ایک رسالہ ہے جو انہوں نے رشید کو احکام اموال سے متعلق لکھا تھا، اسی کی فرمائش پر اس کی تالیف بھی کی۔ کتاب کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق بیان کرنے میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ ان کے طبقے میں سے کسی نے بھی اس طرح کی کتاب ترتیب نہیں دی بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس جیسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ جو اس کتاب اور اس موضوع پر لکھی جانے والی دوسری کتابوں کا تقابلی مطالعہ کرے گا وہ اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب

---

(۵۷) اس معنی کی روایت موفق مکی نے اپنی سند کے ساتھ امام ابو یوسف کے بھانجے ابو بکر کے حوالے سے نقل کی ہے۔ (دیکھیے: مناقب ج ۲ رص ۲۳۳) اور اس سے قبل انہوں نے اپنی سند سے ابراہیم حزبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابو یوسف بڑے دانش مند تھے انہوں نے فرمایا کہ علم حدیث کثرت روایت کی وجہ سے حاصل مت کرو لوگ تم پر جھوٹ کا الزام لگائیں گے، دنیا حاصل کرنے کی غرض سے علم کیمیا مت حاصل کروایا کرنے سے تم مفلس ہو جاؤ گے، اور علم کلام حاصل کرنے کی غرض سے علم مت حاصل کرو کیوں کہ اس کی وجہ سے ہر گھڑی تمہیں ایک کے ساتھ معذرت کرنی پڑے گی (دیکھیے: المناقب للموفق ج ۲ رص ۲۳۰، تاریخ بغداد ج ۱۴ رص ۲۵۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ رص ۲۳۹، سیر أعلام النبلاء ج ۸ رص ۵۳۷، طبقات الحفاظ ج ۱ رص ۱۲۸)

کی چند شروحات بھی ہیں جس میں اس کے غوامض کی تشریح کی گئی ہے اور اس کے معانی کو اجاگر کیا گیا ہے۔

مخارج اور حیلوں سے متعلق بھی ایک کتاب ان سے منسوب ہے، جو دار الکتب المصریة (قاہرہ) اور شہید علی پاشا کی لائبریری (آستانہ۔ترکی) میں موجود ہے۔ جرمن مستشرق جوزیف شاخت نے محمد بن حسن کے نام سے اس کو شائع کیا ہے۔

محمد بن اسحاق الندیم لکھتے ہیں کہ:

اصول اور امالی میں ابو یوسف کی کئی کتابیں ہیں، جن میں بعض درج ذیل ہیں (۱) کتاب الصلاۃ (۲) کتاب الزکاۃ (۳) کتاب الصیام (۴) کتاب الفرائض (۵) کتاب البیوع (۶) کتاب الحدود (۷) کتاب الوکالة (۸) کتاب الوصایا (۹) کتاب الصید والذبائح (۱۰) کتاب الغصب (۱۱) کتاب الاستبرا۔ امام ابو یوسف کا املا (۵۰) بھی ہیں، جس کو قاضی بشر بن ولید نے روایت کیا، یہ امالی چھتیس کتاب پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب اختلاف علماء الامصار، کتاب الرد علی مالک بن انس، رسالة فی الخراج الی الرشید، کتاب الجوامع، یحیٰ بن خالد کے لیے چالیس کتابوں پر اس کو مرتب کیا، اس میں لوگوں کے اختلاف کا تذکرہ بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جس رائے پر فتویٰ ہے اس کا بھی ذکر ہے۔ (۵۱)

طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد لکھتے ہیں:

ابو یوسف مشہور شخصیت ہیں، ان کا فضل و کرم ظاہر ہے، ابو حنیفہ کے ہم نشیں ہیں، اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانے میں کوئی بھی ان سے آگے نہ بڑھ سکا علم و حکمت، سرداری اور قدر و منزلت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، مذہب حنفی میں اصول فقہ کی ترتیب دینے والی پہلی شخصیت ہیں، انہوں نے احناف کے مسائل املا کرائے، اسے ترویج دی اور اس طرح ابو حنیفہ کے علم کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔

خطیب نے بھی کچھ اسی طرح بواسطہ تنوخی طلحہ بن محمد بن جعفر سے نقل کیا ہے۔(۵۲)

ابو یوسف کو مذہب حنفی کے اصول فقہ کا واضع اول سمجھا جانا اور امام شافعی کو مذہب شافعی میں اصول فقہ کا واضع اول سمجھنا ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں، بلکہ امام شافعی کا اپنی کتاب میں اپنے ماقبل علما سے اصولی مسائل میں بحث کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شافعی کو اصول فقہ کا واضع اول قرار دینا ان کے اپنے مذہب کے مطابق ہے۔ اتنا واضح امر ہونے کے باوجود اصول احناف پر قلم اٹھانے والے بعض لوگ اس میں بے جا تکلف کرتے ہیں اور احناف کی اولیت کو ثابت کرنے میں عبارتوں کی ایسی توضیحات پیش کرتے ہیں جس کی وہ متحمل نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی اس نظریے کا رد ہی کرنا چاہتا ہے تو اسے صراحت کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہیے کہ اس کے اصل بانی معتزلہ ہیں، اس طرح وہ ان تکلفات سے بچ بھی جائیں گے اور رد بھی ہو جائے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عافیت میں رکھے)

ذہبی نے ابو یعلی موصلی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

حافظ ابو علی کہتے ہیں کہ اگر ابو یعلی بشر بن ولید کے ساتھ ابو یوسف کی کتاب میں مشغول نہ ہوتے تو بصرہ میں سلیمان بن حرب اور ابو ولید طیالسی کو پا لیتے۔(۵۳)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابو یوسف کی کتابوں کا ایک انبار تھا، کیوں کہ رواۃ سماع کتب اور تلقی میں بڑی تیزی سے کام لیا کرتے تھے، کتنے ان میں ایسے ہیں جنھوں نے صحیح بخاری تین روز میں مکمل کر لی، اگر ابو یوسف کی مؤلفات کی کثرت نہ ہوتی تو ابو یعلی کو مذکورہ شیخین سے تلقی سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی تا کہ وہ ان مشائخ کے ذریعے اپنی سند کو عالی بنا سکیں۔ بعض کتابوں کی متعدد جلدیں ہونے کی وجہ سے ان کے ضائع ہو جانے کا گمان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

کشف الظنون میں ہے:

ابو یوسف کے امالی تین سو جلدوں میں ہیں،(۵۴) اگر ہر جلد حدیث کے ایک جز پر مشتمل ہو تو بھی ان کے زمانے کے اعتبار سے کتاب کا حجم بہت بڑا ہوگا، تاہم

ابھی ابھی قرطبی کا جو کلام گزرا اس میں اتنا اور بھی ہے کہ "ابو یوسف کے مناقب میں یہ بھی ہے کہ وہ بڑی بڑی مفصل کتابوں کے مصنف بھی ہیں، جن میں املا،

امالی، ادب قاضی (بشر بن ولید کو املا کروایا ہے) اور مناسک وغیرہ ہے، ہمارے شیخ یحییٰ الغزی جو مسجد حرام کے واعظ ہیں (حجر اسود کی جانب کعبہ مشرفہ کے سامنے وعظ کہا کرتے تھے) جب ۹۰۸ھ میں شہر زبید آئے تو مجھ سے کہا کہ وہ اس بات سے واقف ہیں کہ ابو یوسف رحمہ اللہ کے امالی جو تین سو جلدوں میں ہیں ملک شام کے ایک شہر غزہ کے مدرسے میں ایک علیحدہ الماری میں موجود ہیں۔"

ممکن ہے یہ کسی خاص الماری میں موجود ہو جیسا کہ ابن زکنون کی الکواکب الدراری کتب خانہ ظاہریہ دمشق کی ایک علیحدہ الماری میں موجود ہے۔

اس عظیم اور ضخیم کتاب سے متعلق ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں۔ ممکن ہے یہ ان کتب کے

(۵۸) المناقب للموفق ج ۲/ص ۲۳۸۔ امام کوثری نے رشید کی مجلس کا واقعہ ذکر کیا ہے جب کہ موفق نے رشید کے بیٹے ہارون کی مجلس کا واقعہ ذکر کیا ہے، ایسا ہی تاریخ بغداد (ج ۱۴/ص ۲۵۳) میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵۹) اس معنی سے قریب موفق نے اپنی کتاب (مناقب ج ۲/ص ۲۳۸) پر بغوی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان کا بیان ہے کہ ابو یوسف اور شریک امیر المومنین ہارون رشید کے پاس آئے، شریک نے امیر المومنین کو مخاطب کر کے کہا آپ کے قاضی جو ابو حنیفہ کے ہم نشیں ہیں، کا خیال ہے کہ ان کا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے، اس پر امیر المومنین غضب ناک ہو گئے اور ابو یوسف سے پوچھا کیا یہ صحیح کہہ رہے ہیں؟ ابو یوسف نے جواب دیا میں نے اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہا ہے کہ جس چیز پر جبریل ایمان لائے میں بھی اسی پر ایمان لایا ہوں۔

(۶۰) **مجسمہ، مشبہ اور جبریہ کی تحقیق وتعارف:** مجسمہ ایسا گمراہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم و جسمانیت اور جہت و مکان ثابت کرتا ہے اور مشبہ ایسا گمراہ فرقہ ہے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے۔ مجسمہ کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ابن کرام ہشام بن حکم کا شمار ہوتا ہے، ان کے نظریات نہایت باطل اور گمراہ کن ہیں، امام ابو الحسن اشعری نے ہشام کے باطل نظریات کا بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، جن میں بعض یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک محدود جسم ہے جس میں طول، عرض اور عمق ساری چیزیں موجود ہیں، اس کا طول اس کے عرض کی طرح ہے، اس کا عرض اس کے عمق کی طرح، وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے، طول اور عرض کی مقدار سے متصف ہے، اس کا عمق ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف متجاوز نہیں، اس کی شخصیت تابندہ موتی کی طرح ہے جو ہر چہار جانب سے گول ہوتی ہے۔ رنگ وروپ، مزا اور خوشبوؤں والا ہے، حرکت واستقرار بھی اس کے اندر موجود ہے اور اٹھتا بیٹھتا بھی ہے (ملخصاً از: مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین، ص ۲۹۰)

مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اور انسان کی شکل میں ہے، اس کے جسم میں گوشت پوست، خون، بال اور ہڈی بھی ہے، وہ ہاتھ، پاؤں، سر، آنکھ، زبان جیسے اعضاء وجوارح کا مالک بھی ہے ان سب کے باوجود وہ کسی کی طرح نہیں اور نہ کوئی اس کی طرح ہے (ملخصاً از: مرجع سابق) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ساتھ ضائع ہوگئی جو دسویں صدی ہجری کی خوں ریز جنگوں میں ضائع ہوئیں، جس میں جبر کسی

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) یوں ہی حدیث میں ''صورت'' وغیرہ جیسے الفاظ اپنے معنی حقیقی پر محمول ہیں، اس نظریے کا علم بردار شیعوں کا ایک غالی فرقہ اور محدثین کی حشویہ سے تعلق رکھنے والی جماعت ہے، اس نظریے کے مطابق اللہ کا روح اور جسم سے مرکب ایک کامل انسان ہونا لازم آتا ہے، ان میں سے بعض نے اپنے رب سے لمس ومصافحہ کو بھی جائز قرار دیا ہے بلکہ وہ اس حد تک تسلیم کرتے ہیں کہ مخلص اہل ایمان ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے آخرت کیا دنیا میں بھی معانقہ کر سکتے ہیں۔ اس عقیدے کی گمراہی کے لیے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ لیس کمثلہ شیئ ہی کافی ہے، ظاہر ہے کہ فکر حشوی اللہ تعالیٰ کو کامل انسان مانتی ہے جو نقل اور عقل کسی بھی اعتبار سے درست نہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں:

وقد قال بعض العلماء المحققين: التوحيد اثبات ذات غير مشبهة للذوات ولا معطلة من الصفات. وزاد الواسطي رحمه الله تعالى بيانا فقال: ليس كذاته ذات، ولا كاسمه اسم، ولا كفعله فعل ولا كصفته صفة الامن جهة موافقة اللفظ، وجلت الذات القديمة أن يكون لها صفة حديثة، كما استحال أن يكون للذات المحدثة صفة قديمة، وهذا كله مذهب أهل الحق والسنة والجماعة رضي الله تعالى عنهم. (الجامع لاحكام القرآن، سورہ شوریٰ، زیر آیت:۱۱)

بعض محققین علما نے فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ ذات باری کا ثبوت کسی دوسری ذات کی مشابہت کے بغیر تسلیم کیا جائے اور نصوص میں وارد صفات سے عار بھی نہ سمجھا جائے۔ علامہ واسطی نے مزید توضیح کے ساتھ فرمایا کہ ذات باری کی طرح کوئی اور ذات نہیں، اس کے نام کی طرح کوئی اور نام نہیں، اس کے فعل کی طرح کوئی اور فعل نہیں اور اس کی صفت کی طرح کوئی اور صفت نہیں، صرف اس قدر ہے کہ جہت لفظ سے ان کی موافقت ہو، ذات باری قدیم ہے محال ہے کہ اس کی کوئی حادث صفت ہو اسی طرح جیسا کہ یہ محال ہے کہ کسی حادث ذات کے لیے قدیم صفت ہو، یہ اہل حق اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

جبریہ: تاریخی پس منظر: تاریخی اعتبار سے یقین کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ جبریہ کی ابتدا کب سے ہوئی تاہم بعض صحابہ وتابعین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ بلکہ عہد رسول ﷺ میں بھی اس فرقے کا وجود تھا اور یقین کے ساتھ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے امویوں کے ابتدائی زمانے میں جبری عقائد پھیل چکے تھے۔

جبر کا معنی اور جبریہ کے نظریات: علامہ شہرستانی لکھتے ہیں: ''جبر کا معنی بندے سے حقیقتاً فعل کی نفی کردی جائے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی جائے''۔ جبریہ کی مختلف قسمیں ہیں (۱) خالص جبری یہ فرقہ بندوں کے لیے فعل اور قدرت علی الفعل کسی چیز کا بھی قائل نہیں (۲) جبریہ متوسط: یہ فرقہ بندے کے لیے قدرت کا تو قائل ہے مگر اس کا ماننا ہے کہ اس قدرت کا فعل پر کوئی اثر نہیں۔ جو لوگ قدرت حادثہ کا فعل پر کسی طرح کا اثر مانتے ہیں انہیں ''کسبی'' کہا جاتا ہے، وہ جبری نہیں ہیں، معتزلہ ہر اس شخص کو جبری کہتے ہیں جو ابداع واحداث میں کسی طرح بھی قدرت حادثہ کا اثر مستقل ثابت نہیں مانتے ہیں، مقالات کے مصنفین نے نجاریہ اور ضراریہ کو جبریہ ہی کا ایک فرقہ مانا ہے، یوں ہی صفاتیہ کی کلابیہ جماعت کا شمار بھی جبریہ میں کیا ہے۔ اشاعرہ کبھی ان پر حشویہ اور کبھی جبریہ کا اطلاق کرتے ہیں، ہم نے ان کا شمار جبریہ میں کیا ہے، جہم بن صفوان کے نظریات کے ماننے والے ''جہمیہ'' کے نام سے جانے جاتے ہیں، علامہ شہرستانی نے جہم اور اس کے اصحاب کو ''جبریہ خالصہ'' کا ایک فرقہ شمار کیا ہے، اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سلطنت کا مصر سے خاتمہ ہوا تھا(۵۵) ان جنگوں میں سلف کی بہت ساری تصنیفات ضائع ہو

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) اس کی بدعت کا ظہور ترمذ میں ہوا اور مسلم بن احوز مازنی نے اسے مرو میں قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات کی نفی میں معتزلی نظریات کی موافقت کی ہے اور اس کے علاوہ اس کے مزید گمراہ نظریات بھی ہیں، چنانچہ قدرت حادثہ سے متعلق ان کا خیال ہے کہ "انسان کسی چیز پر قادر نہیں اور استطاعت سے بھی اسے متصف نہیں کیا جا سکتا، وہ مجبور محض ہے، اسے نہ تو کسی طرح کی قدرت حاصل ہے اور نہ ہی کوئی ارادہ و اختیار کا مالک، اللہ تعالیٰ جس طرح سارے جمادات میں افعال کو پیدا کرتا ہے اسی طرح انسان میں بھی پیدا کرتا ہے اور جس طرح جمادات کی طرف مجازاً ان افعال کی نسبت کر دی جاتی ہے اسی طرح انسان کی طرف بھی مجازاً ان افعال کو منسوب کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے درخت نے پھل دیا، پانی بہا، پتھر نے حرکت کی، سورج نکلا اور غروب ہو گیا، آسمان ابر آلود ہوا اور بارش برسا دی، زمین سرسبز ہوئی اور سبزہ پیدا کر دیا"، تمام افعال کی طرح ثواب و عقاب بھی جبر ہے، لہٰذا جب جبر کا ثبوت ہو گیا تو افعال کا مکلف بنانا بھی جبر ہی ہوگا۔ ملخصاً (الملل والنحل للشہرستانی ج ۱ ص ۸۶، ص ۸۷)

امام اعظم ابوحنیفہ اور جہمی عقیدہ: امام اعظم ابوحنیفہ کا جہمیہ اور جہمی عقائد سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا مگر محدثین کے ایک گروہ اور مخالفین احناف نے جہمیہ کے نظریات کو امام اعظم پر چسپاں کرنے کی مہمل کوشش کی ہے، خطیب نے تاریخ بغداد میں کچھ ایسی روایتوں کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم کا صفوان بن جہم، اور اس کی بیوی سے بڑا گہرا تعلق تھا اور انہیں روایتوں کو بنیاد بنا کر مخالفین نے امام اعظم ابوحنیفہ پر جہمی ہونے کا الزام لگا دیا، حد تو یہ ہے کہ ایسی بے بنیاد روایتیں امام ابو یوسف کے حوالے سے بھی بیان کی گئی ہیں، علامہ کوثری نے خطیب کی تمام مرویات کا استیعاب کیا ہے اور روایت و درایت کی روشنی میں حقائق کو بے نقاب کر دیا ہے، نمونے کے طور پر صرف ایک روایت اور علامہ کوثری کی تردید ملاحظہ کیجیے: محمد بن سعید اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں امیر المومنین (موسیٰ) کے ساتھ جرجان میں تھا اور ابو یوسف بھی ہمارے ساتھ تھے، میں نے ان سے ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا تمہیں ان سے کیا لینا دینا ان کی وفات تو جہمی عقیدے پر ہوئی ہے۔ علامہ کوثری اس روایت کو پوری سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "اس کی سند میں حسین بن خلف دوری ہے، اسماعیلی نے اپنی صحیح میں اس سے روایت لی ہے، اس سے غلطیاں بار بار ہوتی تھیں، لہٰذا اس طرح کے راویوں سے جب کوئی روایت ہوگی تو اس میں تامل ہوگا۔ اس کے دوسرے راوی محمد بن سعید ہیں اور یہ ابن سلم باہلی ہے، ابن حجر نے ان کے بارے میں تعجیل المنفعة میں کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے اور مضطرب بھی، ابو حاتم نے ان سے روایت نہیں لی ہے، ابوزرعہ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں"۔

آگے علامہ کوثری لکھتے ہیں "میں ایسے راویوں کی شکایت بارگاہ ایزدی میں کرتا ہوں جو روایتیں گڑھتے میں خوف خدا کا بالکل پاس نہیں رکھتے، اس روایت میں تو ابو یوسف کے حوالے سے ان کے شیخ پر جہمی ہونے کا الزام لگایا ہے اور خطیب نے جہاں ابو یوسف کا تذکرہ لکھا ہے وہاں خود ان پر جہمی ہونے کا الزام لگایا ہے اور ٹھیک عقیلی نے بھی ایسا ہی کیا ہے، درایتاً بھی اس روایت کے بے بنیاد ہونے میں بالکل کوئی شبہ اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ابو یوسف اپنے شیخ ابوحنیفہ کی حیات اور بعد وفات دونوں میں ان کے گن گاتے رہے ہیں، ہمیشہ ان کی تعریف کی ہے، اگر اس روایت کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ سائل خود امام ابوحنیفہ کو جہمی سمجھتا تھا اس لیے امام ابو یوسف نے بطور تعریض اس کا ذکر کیا اور اس عقیدے کی ان سے نفی کی ہے۔ ملخصاً (تانیب الخطیب للکوثری ص ۹۵)

گئیں، جن میں تو بعض سو سو جلدوں میں تھیں مثلاً ابو وفا ابن عقیل حنبلی کی الفنون ابو یوسف عبد السلام قزوینی کی تفسیر حدائق ذات بهجة ابو الحسن اشعری کی تفسیر، تفسیر جبائی اور تفسیر قاضی عبد

(۶۱) مرجیہ فرقے کا تعارف: تاریخی پس منظر: اس فرقے کی ابتدا عہد صحابہ میں ہوئی، مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سربراہی میں برسر پیکار ہوئیں اور نہایت خونی معرکہ وجود میں آیا، اس بھیانک منظر کے پیش نظر دونوں جماعتوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کر دیا جائے، وہ جو فیصلہ کریں گے ہم سب کو منظور ہوگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فیصلے سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا اس لیے ان کے متبعین دو گروہ یعنی خارجی اور شیعہ میں تقسیم ہو گئے۔ خارجیوں نے حضرت علی، اور جو لوگ تحکیم سے راضی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر پر آمادہ ہو گئے، دوسری طرف شیعوں میں سے بعض نے حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور ان کے متبعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر شروع کر دی اور یہ دونوں ہی فرقے امویوں کی تردید و تکفیر کرنے لگے۔ ادھر امویوں نے یہ سمجھ لیا کہ مسلمان بہر صورت ان کے حامی اور متبع رہیں گے، یہ مسئلہ اتنا افسوس ناک اور پریشان کن تھا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت (جس میں سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن عمر، محمد بن مسلمہ، عمران بن حسین، حسان بن ثابت اور ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں) نے اپنے آپ کو ان سے الگ کر لیا اور علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کی بھی حمایت یا تردید سے اپنے کو دور رکھا اور نہ ہی اس بات کے پیچھے پڑے کہ کون حق پر ہے اور کس کا موقف باطل ہے، انہوں نے اس حکم کو اللہ کے حوالے کر دیا اور کنارہ کش ہو گئے، اس اعتبار سے ان پر "مرجیہ" کا اطلاق ہونے لگا۔ صحابہ کرام کی جماعت نے جس فہم کے ساتھ اپنے آپ کو فتنے سے الگ کر لیا اس میں تو کچھ حرج نہیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مرجیہ کے افکار میں تبدیلی آتی گئی اور ان کی بدعقیدگی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ کعبۃ اللہ کے حرم مکہ میں ہونے میں بھی شک کرنے لگے اور یہ سوچ کر کہ اللہ اس مقام کی صحیح خبر رکھتا ہے حرم کعبہ کا انکار کر بیٹھے۔ علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب میں پہلے تو لفظ "ارجا" کا معنی بیان کیا ہے اس کے بعد اس کے مختلف فرقوں اور ان کی بدعقیدگی کا بیان کیا ہے، ان کی عبارت کا خلاصہ ملاحظہ کیجیے، وہ لکھتے ہیں:

ارجا کے دو معنی ہیں۔ اول تاخیر اور دوم اعطاء الرجا یعنی مؤخر کرنا، پہلے معنی کی نسبت لکھتے ہیں: ایک گروہ پر مرجیہ کا اطلاق اس لیے درست ہے کہ وہ لوگ عمل کو نیت سے مؤخر سمجھتے تھے، دوسرے معنی کے اعتبار سے بھی ان پر اس لفظ کا اطلاق بالکل ظاہر ہے کیوں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ایمان کے ساتھ معصیت کچھ ضرر رساں نہیں یوں ہی کفر کے ساتھ طاعت کا کچھ فائدہ نہیں۔ ارجا کا ایک معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کا حکم قیامت تک مؤخر کر دیا جائے اور دنیا میں ان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے، اس اعتبار سے مرجیہ اور وعیدیہ دو مقابل فرقے ہوں گے۔ ارجا کا ایک معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ اول سے چوتھے درجے میں کر دیا جائے، اس اعتبار سے مرجیہ اور شیعہ دو مقابل فرقے ہوں گے۔ مرجیہ چار طرح کے ہیں (۱) خارجیہ (۲) قدریہ (۳) جبریہ (۴) خالصہ۔

آگے چل کر مرجیہ کی شاخ غسانیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ غسان کوفی کے متبعین ہیں، ان کا خیال ہے کہ (الف) ایمان باللہ تعالیٰ، اس کے رسول کی معرفت، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اس کا اقرار اور بالجملہ جو کچھ رسول ﷺ لے کر آئے ان کا اعتراف کرنے کا نام ایمان ہے (ب) ایمان گھٹتا اور بڑھتا بھی نہیں ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) (ج) اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کھانا حرام قرار دیا ہے مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ بکری یا کوئی دوسرا جانور وہی خنزیر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تو بھی وہ مؤمن ہے (د) اگر کسی نے یہ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبے کا حج فرض قرار دیا ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ کعبہ کہاں ہے، شاید ہندوستان میں ہے تو بھی وہ مؤمن ہے۔

ان کا مقصد ان باتوں سے یہ ہے کہ عقیدے میں اس طرح کی باتیں ماورائے ایمان ہیں، اس کا یہ قول شک کے ط پر نہیں ہے، کیوں کہ کوئی بھی عقلمند شخص اس بات میں کچھ بھی شک نہیں کرسکتا ہے کہ کعبہ کس جہت میں ہے، یوں ہی خنز اور بکری کا فرق بھی ظاہر ہے۔ ملخصا (الملل والنحل ج ۱ ص ۱۳۹ تا ۱۴۱)

امام اعظم ابوحنیفہ اور مسئلہ ارجاء: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم تاریخ کی اولین کڑیوں میں سے ہیں محدثین کی ایک جماعت نے کبھی انہیں قیاسی کہا کبھی ان پر مرجئی اور کبھی جہمی ہونے کا الزام لگایا حتیٰ کہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری محدثین کی اس جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے سامنے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس معنی کا اعتـ کرنے کی وجہ سے امام اعظم پر مرجئی ہونے کا الزام لگایا گیا ہے وہ کوئی گمراہ عقیدہ نہیں بلکہ سنت کے عین مطابق اور حق صواب کا آئینہ دار ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس مقام پر اپنی کتاب تانیب الخطیب کا حوالہ دیا ہے اور یہ کتاب ا قابل بھی ہے کہ اس کا حوالہ دیا جائے۔ مؤلف نے اپنی اس کتاب میں خطیب بغدادی کی تاریخ میں منقول امام اعظم کے خلاف تمام روایتوں کا بڑا گہرا جائزہ لیا ہے اور وہ تمام روایتیں جن سے امام کی شخصیت مجروح کی جاسکتی تھی کو جرح وتعد کی علمی کسوٹی پر پوری طرح پرکھنے کی کوشش کی ہے، اس کوشش میں وہ پوری طرح کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ مسئلہ ار بھی ان میں سے ایک ہے۔ خطیب نے اس سے متعلق مختلف روایتیں ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم حنیفہ گمراہ فرقہ مرجیہ جیسا عقیدہ رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد علامہ زاہد کوثری کو پیدا کیا جنہوں نے امام اعظم دفاع میں پوری زندگی صرف کردی اور خاص طور پر خطیب بغدادی کی نقل کردہ روایتوں کا پردہ فاش کردیا۔ مؤلف نے ا اس کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے اس لیے امام اعظم کے ارجا سے متعلق ان کی کتاب تانیب الخطیب سے بعض روایتیں اس پر کوثری کی تنقید اور پھر مرجیہ کی صحیح توجیہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

حمزہ بن حارث بن عمیر اپنے والد حارث سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ ایک شخص نے ابوحنیفہ سے م حرام میں پوچھا کہ کیا ایسا شخص مومن ہے جو یہ کہتا ہے کہ کعبہ حق ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ وہی کعبہ ہے جو مکہ میں کوئی اور؟ ابوحنیفہ نے جواب دیا ہاں، پھر پوچھا اگر کوئی یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن عبد اللہ نبی ہیں مگر یہ معلوم کہ وہی ہیں جن کی قبر مدینہ میں ہے؟ جواب دیا یہ شخص بھی سچا مومن ہے۔ حمیدی کہتے ہیں کہ جو شخص ایسا کہے وہ ک ہے، خطیب نے کہا کہ سفیان حمزہ بن حارث کے حوالے سے اس کو بیان کیا کرتے تھے۔ (تانیب الخطیب ۷۳)

علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں حنبل بن اسحاق ہیں، ان کے اہل مذہب نے خود ان پر کلام کیا ہے، ا شاذلا نے ان کی روایت میں غلطی کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ نے سورۂ علق کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، مگر ان باتو چھوڑیے انہیں ثقہ اور مامون ہی تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ابن نقطہ نے التقیید میں ذکر کیا ہے حمیدی کی بات کرتے ہیں کی طبقات (ج ۱ ص ۲۲۴) دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ لوگوں کی بات چیت میں محمد بن عبد اللہ بن حکم نے حمیدی کو کذاب کہا۔ یہ بڑا متعصب شخص تھا، لوگوں کی عیب جوئی کے پیچھے پڑا رہتا، اس کی روایت میں اضطراب بھی ہے (بقیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) کبھی حمزہ بن حارث سے روایت کرتا ہے اور کبھی بلا واسطہ حارث سے۔ حارث بن عمیر کی ثقاہت اور ضعف سے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے اور قاعدے کے مطابق جرح کو تقدیم حاصل ہوگی، ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا کہ میرے نزدیک اس کا ضعف بالکل واضح لگ رہا ہے، کیوں کہ ابن حبان نے کتاب الضعفا میں کہا ہے کہ ثقہ لوگوں سے موضوع خبریں روایت کرتا تھا، حاکم نے کہا کہ حمید اور جعفر صادق سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ ازدی نے کہا وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے، ابن جوزی نے ابن کزیمہ کے حوالے سے نقل کیا کہ حارث بن عمیر کذاب ہے۔ ایسا راوی خطیب کی کتاب کے رواۃ میں سے ہے جب کہ حقیقت حال اس روایت کی تکذیب کررہی ہے۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ ابو حنیفہ مسجد حرام میں اس طرح کی صریح کفریہ باتیں کریں، اس ایک کذاب کے علاوہ کسی دوسرے نے یہ روایت بھی نہ کی ہو اور اس طرح کی کفریہ باتیں کرنے والوں کو سزا نہ دیں یہ واضح تناقض ہے۔ دوسری طرف اس مسئلے میں ابو حنیفہ کا صحیح نقطہ نظر ملاحظہ کیجیے۔ ابن ابی عوام نے اپنی سند سے بحوالہ امام ابو یوسف عن ابی حنیفہ روایت کیا کہ اگر کوئی شخص اس ارادے سے نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کی نیت میں کوئی اور کعبہ ہے اور پھر خطأ کعبہ کی موافقت ہوگئی ہو تو وہ اپنے اس ارادے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جو اس مسئلے میں الگ نظریہ رکھتا ہو۔

اسی منہج پر علامہ کوثری دیگر ان جھوٹی روایتوں کا رد و ابطال فرماتے ہیں جن میں امام کی طرف مرجئی ہونے کی نسبت کی گئی ہے، اس کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ کی طرف منسوب ارجا کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا موقف یہ تھا کہ مومن عاصی ابدی جہنم کا مستحق نہیں ہے اس لیے ان کے مخالفین نے ان کی طرف ارجا کی نسبت کردی اور خود خارجی نظریات کی حمایت کردی، ان کا مقصد ابو حنیفہ کی تنقیص تھی اور مسئلہ ایسا پھنسا کہ تعریف کر بیٹھے (تانیب الخطیب ص ۸۷)

آگے امام اعظم ابو حنیفہ کے ساتھ دیگر علما کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جس ارجا کا یہ علما قول کرتے ہیں وہ سنت کے علاوہ کچھ بھی نہیں، جو اس کے خلاف نظریہ رکھے گا وہ بالقصد یا بلا قصد خارجیوں یا معتزلیوں کی حمایت کرنے والا شمار کیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے بعد کے زمانے میں ایسے نیک لوگ بھی تھے جن کا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان قول و عمل کے مجموعے کا نام ہے اور جو یہ سمجھتا کہ ایمان صرف عقیدے کا نام ہے ان پر وہ لوگ مرجیہ کا اطلاق کرتے تھے جب کہ حق ان آخر الذکر لوگوں کے ساتھ ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبهم اور نبی ﷺ کا فرمان ہے الایمان أن تؤمن باللہ وملائکته وکتبه ورسله والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ (یہ حدیث امام مسلم نے ابن عمر سے روایت کی ہے اور یہی جمہور اہل سنت کا نظریہ بھی ہے) ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، فرشتے، کتب، رسولان عظام، یوم آخرت اور تقدیر کی اچھائی و برائی کو تسلیم کیا جائے۔ صالحین کے اس نظریے میں معتزلہ یا خارجیوں کی پوری موافقت نظر آتی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے نظریے کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو بدعتی اور گمراہ سمجھتے تھے۔ کیوں کہ عمل کو ایمان کا رکن سمجھنے سے یہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی مومن شخص گناہ کا ارتکاب کرے تو اس سے اس کا ایمان متاثر ہو جائے، گنہگار شخص اپنے اس برے اعمال کی وجہ سے یا تو ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جائے گا جیسا کہ خارجیوں کا نظریہ ہے، یا کفر میں داخل نہیں ہوگا بلکہ کفر و ایمان کے درمیان رہے گا اور یہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔ یہ صالحین خارجی اور معتزلی نظریات کے سخت مخالف ہیں اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے رہتے ہیں (بقیہ اگلے صفحے پر)

الجبار وغیرہ۔ لائبریریوں میں آج ان کتابوں کا نام ونشان تک نہیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے
منگولیوں اور چنگیزیوں کا ظلم وستم تو بھلایا نہیں جا سکتا، جن کی وجہ سے مشرقی اسلامی ممالک میں

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) اگر وہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نظریات سے بھی برأت کا اعلان کر دیں تو ان کے کلام کا کوئی معنی ومفہوم باقی نہیں رہے گا۔ یا پھر یہ ہے کہ عمل کو کمال ایمان کا ہی سبب تسلیم کریں، اس صورت میں پھر کسی کو ایسا لقب دینا جس سے اس کی گمراہی متصور ہوتی ہو بے معنی ہے، مگر ان کا اپنے نظریات کی حمایت میں اس قدر سخت موقف اپنانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عمل کو محض کمال ایمان کا سبب ہی نہیں بلکہ ایمان کا ایک جز اور اصل رکن سمجھتے ہیں اور اس کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے آپ دیکھ رہے ہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ بعض ایسے علما جن کا شمار امیر المومنین فی الحدیث میں کیا جاتا ہے بول پڑے کہ میں اپنی اس کتاب میں اس شخص کی روایت کو جگہ نہیں دوں گا جو ایمان کو قول وعمل کا مجموعہ نہیں سمجھتا ہو اور اس میں کمی وزیادتی کا قائل نہ ہو، جب کہ دوسری طرف غالی خارجیوں اور ان کے امثال سے بے دریغ روایت لیتے ہیں، انہیں اس بات کا اچھی طرح علم بھی ہے کہ حدیث ''ایمان قول وعمل کے مجموعے کا نام ہے اور اس میں کمی وزیادتی ہوتی ہے'' نقاد کے نزدیک ثابت نہیں ہے یعنی اس میں ضعف ہے۔ قساطلین جنہیں دائیں بائیں کا کچھ بھی پتہ نہیں کی باتوں کی طرف توجہ کرنا بے معنی ہے۔ دلائل کی روشنی میں یہ مسئلہ بالکل واضح ہو گیا ہے کہ عمل ایمان کا اصل رکن نہیں بلکہ ایمان سے مؤخر ہے، جمہور صحابہ اور اہل سنت کے تمام علما جو خوارج اور معتزلہ کی آرا سے اختلاف رکھتے ہیں کا بھی یہی موقف ہے اور یہی سنت بھی۔ ہاں یہ کہنا کہ ایمان کے ساتھ معصیت کچھ ضرر رساں نہیں، ضرور ارجا اور بدعت وضلالت ہے۔ ہمارے اصحاب اس فکر سے ایسے ہی بری ہیں جیسے بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بری ہے۔ اگر ایمان سے متعلق ابو حنیفہ کی یہ توضیح وتشریح نہیں ہوتی تو معصوم مسلمانوں کی بڑی تعداد ایمان سے صرف اس لیے خارج ہو جاتی کہ کبھی نہ کبھی ان سے معصیت کا صدور ہوا ہے (تانیب الخطیب ص ۸۵ تا ۹۱)

مرجیہ سے متعلق مؤلف کی اتنی زبردست گفتگو کے بعد اب کسی اور توضیح وتاویل کی ضرورت نہیں ہے تاہم یہاں شہرستانی کا قول بھی اس نظریے سے ذکر کرنا تکمیل موضوع کی حیثیت رکھتا ہے کہ علامہ کوثری سے صدیوں قبل بھی علمائے امام اعظم ابو حنیفہ کو گمراہ فرقہ مرجیہ سے الگ سمجھا ہے اور محدثین کی ایک جماعت جو امام کو گمراہ نظریے کا حامی سمجھتی تھی، کی توضیح کر کے یہ بتایا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ جس ارجا کے قائل ہیں وہ محض سنت ہے، گمراہ فرقے سے ان کا کچھ تعلق نہیں۔ الملل والنحل میں ہے کہ عجیب بات یہ ہے کہ غسان ابو حنیفہ کے حوالے سے اپنا مذہب بیان کرتا تھا اور انہیں مرجی سمجھتا تھا، یہ بالکل ان پر جھوٹا بہتان ہے۔ اسی طرح ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کو ''مرجیہ السنۃ'' سمجھا جاتا تھا اور بہت سارے اصحاب مقالات نے انہیں مرجیہ کی جماعت میں شمار کیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جب یہ کہا کہ تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے اور اس میں کچھ کمی وزیادتی نہیں ہوتی ہے، ان کے مخالفین نے یہ سمجھ لیا کہ وہ عمل کو ایمان سے مؤخر سمجھتے ہیں، عمل سے متعلق خود ان کی تخریج ہے تو وہ ترک عمل کا فتویٰ کیسے دے سکتے ہیں؟ اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ صدر اول کے قدریہ اور معتزلہ کی زبردست مخالفت کرتے تھے، مسئلہ قدر میں جو بھی معتزلہ کی مخالفت کرتا تھا اس کو وہ مرجی کہہ دیتے تھے، ایسا ہی خارجیوں کا وعیدیہ فرقہ بھی سمجھتا تھا، لہٰذا کچھ عجب نہیں کہ امام ابو حنیفہ پر یہ لقب معتزلہ اور خارجیوں کی سازش کا نتیجہ ہو۔ ملخصاً (الملل والنحل ص ۱۴۱)

موجود اکثر بڑی بڑی کتابوں سے ہم محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ خلف کو سلف کے تراث کا بدل عطا فرمائے۔ جو ہمارے سامنے موجود ہے وہ بھی کافی ہے، اس میں ہدایت اور تبلیغ کی باتیں بھری ہیں، یہ ہمارے کام کی اس وقت ہوں گی جب ہم ان سب پر عمل کریں اور ان کی ہدایت کو قبول کریں۔ جو ہدایت طلب کرنا چاہے اللہ اسے ہدایت عطا فرمائے۔

(۶۲) عقیلی اور دیگر محدثین کا تعصب اور تنگ نظری دیکھنے کے لیے مؤلف کی کتاب فقہ اھل العراق و حدیثھم جو راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو رہی ہے کا آخری باب اور اس کا حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔

علم کلام کے بعض اختلافی مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے

[کلام الٰہی مخلوق ہے یا نہیں؟ یہ اس زمانے کا ایک سلگتا ہوا مسئلہ تھا، اسی مسئلے پر امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگائے گئے اور متعدد علما و محدثین پر سختیاں کی گئیں۔ امام ابو یوسف نے بھی اس مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، معتبر سند سے ان کی رائے ملاحظہ کیجیے۔ منظر]

ابن ابی عوام نے (بواسطہ محمد بن احمد بن حماد عن محمد بن شجاع عن حسن بن ابی مالک) روایت کی کہ انہوں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ:

---

(۶۳) ایک شاہد اور مدعی کی قسم کا مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر کسی مسئلے میں صرف ایک گواہ ہو اور دوسرے گواہ کے مدعی قسم کھالے تو اس قسم کو دوسرے گواہ کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں؟ ائمہ مذاہب کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام نے ابن عباس سے مروی ایک حدیث ذکر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی پر فیصلہ کیا ہے۔ امام نووی نے اس حدیث کے تحت علما کے دو نظریات ذکر کیے ہیں، ان کی عبارت کا خلاصہ درج ذیل

امام اعظم ابو حنیفہ، علمائے کوفہ، امام شعبی، حکم، اوزاعی، لیث، امام مالک کے اندلسی اصحاب کا موقف یہ ہے ایک اور دوسرے کے عوض قسم کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، صحابہ، تابعین اور جمہور علمائے اسلام اور ان کے بعد علمائے ا کا مسلک یہ ہے کہ جن چیزوں کا تعلق اموال سے ہے یا جس سے اموال کا قصد کیا جاتا ہے ان چیزوں میں ایک گو مدعی کی قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا درست ہے، یہی نظریہ ابو بکر صدیق، علی، عمر بن عبد العزیز، مالک، شافعی، احمد بن ح فقہائے مدینہ، علمائے حجاز اور اکثر شہروں کے علما کا ہے، آخر الذکر حضرات کا ماننا ہے کہ اس مسئلے میں علی، ابن عباس بن ثابت، جابر، ابو ہریرہ، ابن حزم، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ک کے ساتھ روایتیں مذکور ہیں۔ حفاظ حدیث کا کہنا ہے کہ ابن عباس سے مروی حدیث اس باب میں سب سے صحیح ہے عبد البر نے کہا کہ اس کی سند کا کوئی راوی بھی مطعون نہیں ہے اور نہ ہی اس کی صحت میں اہل معرفت کا کچھ اختلاف ابو ہریرہ، جابر وغیرہ رضی اللہ عنہما کی روایت درجہ حسن پر ہے۔ ملخصاً (شرح صحیح مسلم امام نووی ج ۱۲ / ص ۴)

اس کی روشنی میں اتنا واضح ہوگیا کہ ائمہ احناف جس میں امام ابو یوسف بھی ہیں اور کچھ دوسرے علما (بقیہ اگلے صفحے

قرآن اللہ کا کلام ہے، جو شخص اس بارے میں کیسے اور کیوں کرے اور مجادلہ ومناقشہ میں الجھے گویا اس نے اپنے اوپر قید خانے کو واجب کرلیا اور

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) یہ مانتے ہیں کہ ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز نہیں، امام نووی نے احناف کے علاوہ علما کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ان کی بنیاد کثرت روایت پر ہے اور وہ تمام روایتیں قابل احتجاج بھی ہیں، اس حقیقت کو جاننے کے لیے علامہ زیلعی کی طرف رخ کرتے ہیں۔ امام زیلعی نے ان تمام مرویات کا یکے بعد دیگرے مطالعہ کیا ہے اور احناف کے خلاف جو روایتیں ہیں امام نووی کے برخلاف ان سب کو نا قابل احتجاج قرار دیا ہے، علامہ زیلعی نے حدیث پر کلام کرنے سے پہلے اسی مفہوم کا ذکر کچھ تفصیل کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ امام نووی نے ذکر کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث کے دو جواب ہیں۔ اول: یہ حدیث معلل بالانقطاع ہے، ترمذی نے علل کبیر میں لکھا ہے کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں محمد یعنی امام بخاری سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا "عمرو بن دینار نے ابن عباس سے نہیں سنا ہے" زیلعی کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار کی ابن عباس سے عدم سماع کی دلیل یہ ہے جسے خود دار قطنی نے اس طرح روایت کیا عن عبد اللہ بن محمد بن ابی ربیعۃ، حدثنا محمد بن مسلم، عن عمرو بن دینار، عن طاؤس عن ابن عباس أن النبی ﷺ دار قطنی نے کہا کہ عبد الرزاق نے مخالفت کی اور طاؤس کا ذکر نہیں کیا، بعض محدثین نے سند میں جابر بن زید کا اضافہ کیا ہے، اور ثقہ کی روایتیں ضعیفوں کی روایتوں سے معلل اور غیر قابل استناد نہیں ہوتیں۔

طحاوی نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ قیس بن سعد نے عمرو بن دینار سے کچھ روایت کیا ہے۔ زیلعی کہتے ہیں کہ اس بنیاد پر اس حدیث میں دو انقطاع ثابت ہوں گے۔

ابن قطان نے اپنی کتاب میں کہا اس حدیث کو اگرچہ مسلم نے اپنی صحیح میں عن قیس بن سعد، عن عمرو بن دینار، عن ابن عباس کے حوالے سے تخریج کیا ہے تاہم اس میں دو انقطاع موجود ہیں۔ ترمذی نے بخاری کے حوالے سے کہا کہ عمرو بن دینار نے یہ حدیث ابن عباس سے نہیں سنی ہے۔ طحاوی نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ قیس بن سعد نے عمرو بن دینار سے کچھ روایت کیا ہے، دار قطنی نے اپنی سنن میں ایک روایت درج کی ہے (یہاں دار قطنی کی مذکورہ روایت کا ذکر ہے) جس سے بخاری کی تائید ہو جاتی ہے، مگر یہ روایت (دار قطنی کی) عبد اللہ بن محمد بن ربیعہ کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، یہ عبد اللہ بن محمد بن ربیعہ القدامی ہیں، امام مالک سے روایت کرتے ہیں اور یہ متروک ہیں، دار قطنی نے ایسا ہی کہا ہے۔

بیہقی نے اپنی کتاب المعرفۃ میں کہا کہ طحاوی نے کہا قیس بن سعد کی عمرو بن دینار سے روایت کا مجھے کچھ علم نہیں، یہ مدخول ہے کیوں کہ قیس ثقہ ہیں، بخاری ومسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایت درج کی ہے، ابن مدینی نے کہا وہ اثبت ہیں، راوی جب ثقہ ہو اور اپنے شیخ سے ایسی حدیث روایت کرے جس سے اس کے ہم عمر ہونے کا احتمال ہو اور اس کی لقا تدلیس سے معروف ہو تو اس کی حدیث قبول کرنا واجب ہے، قیس بن سعد نے ایسے مشائخ سے روایت کیا ہے جو عمرو بن دینار سے عمر میں بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ ان سے پہلے ان کی وفات بھی ہو چکی تھی، اس کی مثال عطا ابن ابی رباح اور مجاہد بن جبیر ہیں۔ عمرو بن دینار سے ایسے لوگوں نے بھی روایت کی ہے جو قیس کے معاصرین اور ان سے پہلے کے ملاقی تھے، اس کی مثال ایوب سختیانی ہیں، انہوں نے انس بن مالک کو دیکھا، سعید بن جبیر سے روایت کی، اور پھر عمرو بن دینار سے روایت کی، لہٰذا عمرو بن دینار سے قیس بن سعد کی روایت کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

زخمی کردینے والے کوڑے بھی اپنے اوپر واجب کر لیے.

اسی سند سے ابن عوام نے بیان کیا کہ:

ابو یوسف کا کہنا تھا کہ جس نے ''کلام'' سے متعلق کچھ بھی کہا وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا.وہ کہا کرتے تھے کہ یہ بات تم لوگ مجھ سے یاد کرلو۔اور کہا کرتے تھے کہ اگر میں اس بات پر قادر ہوسکتا کہ جو کچھ میرے پاس

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) ہاں اتنا ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کے خلاف ضرور روایت کی ہے اور یہی ایک باعث طعن ہے اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

جریر بن حازم (جو ثقہ ہیں) نے ایک حدیث عن قیس بن سعد عن عمرو بن دینار عن سعید بن جبیر عن ابن عباس کے حوالے سے روایت کیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قیس نے عمرو بن دینار سے ایک شاہد اور قسم والی حدیث روایت کی ہے قیس کی اس روایت کی متابعت محمد بن مسلم طائفی نے کی۔اس کی ایک دوسری سند بھی امام شافعی کے حوالے سے اس طرح ہے حدثنا ابراهیم بن محمد اسلمی، عن ربیعه بن عثمان، عن معاذ بن عبد الرحمن، عن ابن عباس

دوم: اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو بھی اس سے عام حکم ثابت نہیں ہوگا، امام فخر الدین نے کہا کہ صحابہ کرام اس طرح کہیں کہ نبی ﷺ نے فلاں چیز سے منع فرمایا اور فلاں چیز کا فیصلہ کیا تو اس سے عموم مستفاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اس طرح کی حکایت جس چیز کے لیے کی جارہی ہے اسی کے لیے حجت ہوگی اور جس چیز کی حکایت کی جارہی ہے وہ عام بھی ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ قضا کے مختلف معنی ہیں، اس مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ مناسب اور قریب بات یہ ہے کہ اس میں نزاع کا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس سے تخصیص متعین ہوجاتی ہے کیوں کہ اس سے یہ بات قطعاً سمجھ میں نہیں آتی کہ تا قیامت ایک شاہد ہی کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا بلکہ ایک خاص شاہد کے ساتھ یہ فیصلہ ہوگا، اس بنیاد پر متعین ہوگا کہ راوی نے قرینہ حالیہ پر اعتماد کیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلے والی حدیث میں حقیقت جنس مراد ہے جنس کا استغراق مراد نہیں اور حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ نبی ﷺ نے جنس شاہد اور جنس یمین کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے۔ملخصاً (نصب الرایۃ ج۴رص ۹۸،۹۷)

الحاصل امام مالک اور شوافع کی مستدل حدیث جو صحیح مسلم میں موجود ہے اس میں بقول بیہقی دو انقطاع ہیں بھی مانیں ایک انقطاع سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہوگی اور اس سے استدلال درست نہیں ہوگا۔اس کا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے جیسا کہ ابن ہمام نے تصریح کی ہے اور احناف کی حدیث مشہور ہے بلکہ متواتر ہے اس لیے اگر صحیح مسلم کی حدیث کا اعتبار کر بھی لیا جائے تو غریب ہونے کی وجہ سے مسترد ہوجائے گی اور مشہور اس پر ترجیح ہوگی۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۶۴) حدیث ترمذی میں اس طرح ہے: عن عبد العزیز بن محمد دراوردی، عن ربیعه بن ابی عبد الرحمن، عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه ان ابی هریره أن النبی ﷺ قضی بالیمین مع الشاهد۔(جامع الترمذی ج ۳رص ۶۲۷ ،حدیث نمبر ۱۳۴۳)

(ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب اور حسن ہے۔

ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے اس میں تم سب کو شریک کرسکوں تو ضرور کرتا، وہ بڑے ناصح تھے، مَیں نے ''کلام'' سے متعلق انہیں کبھی بھی کسی رخصت کو قبول کرتے نہیں دیکھا، وہ ہمیں اس میں رخصت کو قبول کرنے سے سختی سے منع کرتے تھے۔

ابن عوام نے اسی سند سے ابن شجاع کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

مَیں نے حسن بن ابی مالک سے کہا کہ مَیں تم سے یہ روایت کرتا ہوں کہ ابو یوسف کا یہ خیال تھا کہ جو شخص قرآن کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہے کہ وہ ''کلام اللہ'' ہے اس کی سزا پٹائی ہے۔ پھر کہا ہاں تم یہ بات میرے حوالے سے بیان کرسکتے ہو کہ ابو یوسف کو مَیں نے کہتے ہوئے سنا کہ جو قرآن کے بارے میں ''کلام الٰہی'' سے زیادہ کچھ پوچھے وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ ابن شجاع کہتے ہیں کہ مَیں نے پوچھا اے ابو علی آپ اس مسئلے میں ابو یوسف سے موافقت رکھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مَیں ان کے تمام اقوال کی مخالفت تو کرسکتا ہوں مگر اس قول کی مخالفت نہیں کرسکتا، جس شخص کو اس مسئلے پر سوال و جواب کرتا دیکھو اس کا مطلب ہے کہ اس میں برائی ہے، اس کا یہ سوال اسے بھلائی کی طرف نہیں لے جاسکے گا۔

مزید کہتے ہیں کہ مَیں نے محمد بن شجاع کو کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حسن بن مالک اور بشر بن ولید کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ ابو یوسف کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم ابو یوسف کے پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگ تو آپ کے خاص لوگوں میں سے ہیں، آپ ہمارے علاوہ لوگوں سے کچھ بیان کرتے ہیں اور ہمیں اس سے منع کرتے ہیں؟ ابو یوسف نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس شخص نے جو کچھ کہا تھا ہم نے بتادیا۔ ابو یوسف نے کہا

☆ پہلے یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ابو یوسف کی حضرت علی اور بالخصوص قاضی شریح کی قضا پر گہری نظر تھی اس لیے انہوں نے اپنے مقابل سے حضرت علی کی قضا کو دلیل میں پیش کرنے سے انکار کیا۔ (مؤلف)

(۶۵) سہام خیبر کی حدیث امام بخاری نے حضرت عمر کے حوالے سے اس طرح روایت کی ہے: ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخيبر فأتى النبي ﷺ يستأمره فيها، فقال يا رسول الله ﷺ انى اصبت ارضا بخيبر لم اصب مالا قط أنفس عندي منه فما تأمر به؟ قال ان شئت حبست أصلها وتصدقت بها، قال فتصدق بها عمر أنه لا يباع ولا يوهب ولا يورث، وتصدق بها فى الفقراء وفى القربى وفى الرقاب وفى سبيل الله وابن السبيل والضيف، لا جناح على من وليها ان يأكل منها (بقیہ اگلے صفحے پر)

نادانو! یہ لوگ اللہ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں تو ہم پر کیسے نہیں لگائیں گے؟ پھر کہا بدعتی لوگ اپنی باتیں بیان کرتے ہیں اور لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

طحاوی نے کہا کہ یحییٰ بن عثمان نے ابراہیم بن معبد کے حوالے سے مجھ سے بیان کیا کہ ابو یوسف نے اپنے ایک بیٹے کو پینتیس کوڑے اس بات پر لگائے کہ وہ جہمیہ (۵۶) کی طرح رائے رکھتا تھا، پھر کہا اگر وہ ان کا بیٹا نہ ہوتا تو ممکن ہے اس سے زیادہ کوڑے لگاتے۔

طحاوی نے بواسطہ علی بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ عن سعید بن دیسم بیان کیا، انہوں نے ابراہیم بن جراح کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ ابو یوسف کے پاس تھے اور ہمارے ساتھ بشر بھی تھے، اور مجلس میں ہمارے ساتھ ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف بھی تھے جنہوں نے بڑا ازرق برق

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) بالمعروف متمول ، قال فحدثت بہ بن سیرین متاثل مالا ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۲، حدیث نمبر ۲۵۸۶، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵۵، حدیث نمبر ۱۶۳۲) ابن عمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر کو خیبر میں زمین ملی تو وہ رسول کریم ﷺ کے پاس مشورے کے لیے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے خیبر میں اتنی اچھی زمین ملی ہے کہ اس سے اچھا مال مجھے کبھی بھی نہیں ملا، آپ کا حکم کیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا تمہاری مرضی پر موقوف ہے اگر چاہو تو اصل زمین اپنے پاس رکھو اور اس سے حاصل ہونے والا منافع صدقہ کر دو، حضرت عمر نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ صدقہ کر دیا کہ اسے نہ بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے، نہ وراثت میں تقسیم کی جائے، ابن عمر کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے اس زمین کو فقیروں، رشتہ داروں، اللہ کے راستے، مسافروں اور مہمانوں پر صدقہ کر دیا، یہ بھی فرمایا کہ اس زمین کی نگرانی کرنے والا معروف طریقے سے خود کھائے بھی تو کچھ حرج نہیں، تاہم مال جمع نہ کرے، راوی کا بیان ہے کہ میں نے ابن سیرین سے اس کو "متمول" کے بجائے "متاثل مالا" روایت کیا۔

مسئلہ وقف میں امام اعظم اور امام ابو یوسف کا نظریہ: وقف کی تعریف امام کے نزدیک یہ ہے کہ اصل چیز کو وقف کرنے والے کی ملک پر برقرار رکھنا اور اس کی منفعت کو عاریتاً صدقہ کر دینا۔ وقف کی تعریف ابو یوسف کے نزدیک یہ ہے کہ اصل شئی کو اللہ تعالیٰ کی ملک پر برقرار رکھنا اور اس کی منفعت کو بندوں پر صدقہ کر دینا، یہی امام محمد کی تعریف بھی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کی تعریف کے پیش نظر وقف کرنے والا اپنی موقوفہ جائداد واپس لے سکتا ہے اور اسے بیچ بھی سکتا ہے اور صاحبین کی تعریف کے پیش نظر واقف کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی موقوفہ جائداد کو بیچے، ہبہ کرے اور وراثت میں تقسیم کرے، ان کی دلیل یہی حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ ملخصاً (الہدایۃ، ج ۳ ص ۱۳)

امام سرخسی نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف پہلے امام ابو حنیفہ ہی کے نظریے پر تھے مگر رشید کے ساتھ حج کرنے گئے تو مدینہ اور اس کے اطراف میں صحابہ کرام کی موقوفہ جائداد دیکھیں تو اس قول سے رجوع کر لیا اور وقف کے لزوم کا فتویٰ دیا۔ اس مسئلے کے علاوہ دو اور مسئلوں سے رجوع کیا، ایک تو صاع کا مسئلہ تھا کہ اس کی مقدار آٹھ رطل مان لی اور دوسرا طلوع فجر سے پہلے اذان فجر کے جواز کے قائل ہو گئے۔ ملخصاً (المبسوط ج ۱۲ ص ۲۸)

لباس پہن رکھا تھا، انہوں نے کسی مسئلے میں بات کی تو ابو یوسف نے یوسف سے کہا تمہیں ان باتوں سے کیا مطلب؟ تم اپنے کھیل میں مگن رہو۔

ابوبکر خصاف احمد بن عمرو ابن مہیر نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے حسن کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو یوسف نے کہا ''کلام سے متعلق سب سے بڑا عالم اللہ کے بارے میں سب سے بڑا جاہل ہوتا ہے''۔

طحاوی نے ابن ابی عمران (عن بشر بن ولید) کے حوالے سے بیان کیا کہ میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ:

جو غیر مانوس حدیث کی جستجو میں پڑا وہ جھوٹا ہے، جو علم کیمیا کے ذریعے سے مال کا خواہش مند ہوگا وہ مفلس ہو جائے گا، اور جو شخص علم ''کلام'' کے ذریعے حاصل کرے گا وہ زندیق ہو جائے گا۔ (۵۷)

ابراہیم بن جنید نے علی بن جعد کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ابو یوسف سے کسی شخص نے کچھ پوچھا کہ اے ابو یوسف لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی گواہی جائز قرار دیتے ہیں جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس کے وجود سے پہلے نہیں جانتا؟ جواب دیا افسوس، میں تو ایسے شخص پر توبہ واجب کرتا ہوں، اگر توبہ نہ کرے تو میں اسے قتل کر دوں۔

اسد بن فرات نے ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا:

دین کے بارے میں خصومت، جدال اور بحث چھوڑ دو، دین واضح اور ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرائض فرض کیے ہیں، قوانین نافذ کیے، اس کی حدود

(۶۶) مناولہ: مشائخ سے حدیث روایت کرنے کے کئی طریقے ہیں جن میں ایک طریقے کا نام ''مناولہ'' ہے۔ مناولہ کی دو قسمیں ہیں: اول: مقرون بالا جازۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم نے شیخ سے جو کتاب سماعت کی ہے شیخ اس کتاب کو لے کر طالب علم کو دے اور کہے کہ تم میرے حوالے سے اس کی روایت کرو یا طالب علم شیخ کی حدیث پر مشتمل کوئی کتاب شیخ کی خدمت میں پیش کرے، شیخ نہایت بیدار مغزی کے ساتھ اس میں غور و فکر کر کے طالب علم کو واپس کر دے اور یہ کہے کہ یہ میری حدیثیں ہیں، تم اس سے روایت کرو، بعض محدثین نے مناولہ کی اس قسم کو روایت حدیث کی سب سے اعلیٰ قسموں میں شمار کیا ہے۔ دوم: مجردہ بالا جازۃ: شیخ کی ایسی حدیثیں یا کتاب جسے طالب علم کو روایت کرنے کی اجازت نہیں، اس قسم کی روایت جائز نہیں۔ ملخصاً (تدریب الراوی ج ۲ ص ۴۴)

بیان کردی ہیں، حلال وحرام کا بیان بھی کر دیا ہے، اور فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ﴿المائدہ:۳﴾ (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام سے راضی ہو گیا) جو قرآن میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو، جو حرام ہے اس کو حرام سمجھو، محکم قرآن کے مطابق عمل کرو، اس کے متشابہ پر ایمان لاؤ، اس میں بیان کردہ مثالوں سے عبرت حاصل کرو، اگر دین کے بارے میں بحث ومباحثہ اور خصومت تقویٰ کی علامت ہوتی تو سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ اور ان کے بعد صحابہ کرام سے بحث ومباحثہ ماثور ہوتا۔ ان لوگوں نے دین سے متعلق کسی طرح کا جدال نہیں کیا اور نہ ہی اس کے مسائل میں الجھے، ہاں انہوں نے فقہی مباحثے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، فرائض، نماز، حج، طلاق، حلال وحرام میں اختلاف کیا، دین میں کوئی اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی اس کے مسائل میں الجھے، خوف الٰہی اور اطاعت ربانی پر قائم رہے، سنت پر پختگی سے عمل کرتے رہے، یہی ان کے لیے کافی تھا، نئے لوگوں نے دین میں بحث ومباحثہ اور خصومت کی جو طرح ڈالی ہے اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ سنت پر پابندی سے عمل کرنے میں ہی

(۶۷) **حدیث مضطرب:** ایسی حدیث ہے جس میں قبول روایت کی تمام شرطیں موجود ہونے کے ساتھ ساتھ تعارض بھی ایسا پایا جائے کہ تطبیق، ترجیح اور قول بالنسخ کچھ بھی ممکن نہ ہو۔ اضطراب سند اور متن دونوں میں ہوتا، جس راوی کی یہ حدیث ہوتی ہے اس کو مضطرب الحدیث کہتے ہیں، اضطراب حدیث ضعیف کی قسموں میں شمار کیا جاتا ہے کیوں کہ راوی میں ضبط کی کمی کی وجہ سے یہ خلل پیدا ہوتا ہے اور ضبط کی تکمیل صحیح کی شرط ہے۔

(۶۸) **بلاغات:** ایسی حدیث ہے جس میں محدث اپنے سے اوپر والے راوی کا نام لیے بغیر اس طرح کہے کہ بلغنی یا بلغه یعنی مجھے یا اسے یہ خبر ملی، بعض محدث معلقات اور بلاغات کو ایک ہی قبیل سے سمجھتے ہیں جب کہ بعض کے نزدیک دونوں میں فرق ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے بلاغات کا شمار ضعیف حدیثوں میں کیا ہے اور ایک دوسری جماعت نے بعض شرطوں کے ساتھ صحیح کی قسموں میں شمار کرنے کی کوشش کی ہے۔ موطا امام مالک میں اس طرح کی کئی روایتیں ہیں، ابن عبدالبر نے موطا میں امام مالک سے مروی کل ۶۱ بلاغات اور مراسیل کا ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (التمہید ج ۲۴ ص ۱۶۱)

حفاظت ہے، جو لوگ اس پر عمل کرتے رہے اللہ کے حکم سے وہی لوگ پھسلنے سے محفوظ رہیں گے، جو لوگ سنت پر عمل کرتے رہے انہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ اس کے خلاف چلنا غلط ہے اور اس میں سلامتی بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا: واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فأعرض عنهم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ ﴿الانعام:۶۸﴾ (ترجمہ:۔اے نبی جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں کی نکتہ چینیوں میں پڑتے ہیں تو آپ ان سے اعراض کریں، جب تک کہ وہ کسی اور بات میں نہ لگیں) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو قرآن میں جدل اور حجتوں کا بیان فرماتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور ایسا کرنے والوں کو منع بھی کیا۔قرآن میں ہے: ولا تقعدوا معهم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلهم ﴿النساء:۱۴۰﴾ (ترجمہ: ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک وہ ایسی باتیں چھوڑ کر دوسری باتوں میں نہ لگ جائیں، ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو جاؤ گے) اور فرمایا فان حاجوک فقل أسلمت وجهی لله ومن اتبعن ﴿آل عمران:۲۰﴾ (ترجمہ: اگر وہ آپ سے حجت کریں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنا منہ اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ''حاجهم'' کہ نبی آپ بھی ان سے مخاصمہ کیجیے۔

ابراہیم بن جنید نے علی بن جعد کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ابو یوسف سے ایک شخص نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلام میں تاویل کر کے اصحاب رسول ﷺ کو گالی دے تو آپ اس کی گواہی کو جائز

☆مجھے یہ عبارت شیخ محقق محمد حزمی نے الحاج سلیم کی لائبریری (جو اسکدار آستانہ میں واقع ہے) میں محفوظ نسخے سے نقل کر کے دی ہے۔ اللہ ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ (مؤلف)

کہتے ہیں؟ جواب دیا، افسوس! میں تو ایسے شخص کو قید کرنے اور اسے مارنے کا حکم دیتا ہوں یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے۔

ان روایتوں میں سے ایک یہ ہے جس کو ابن ابی عوام نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ ذکر کیا اور عثمان بن حکیم سے مروی ہے کہ:

ایک زندیق رشید کے پاس لایا گیا، انہوں نے ابو یوسف کو بلایا تا کہ وہ اس سے بات کریں، رشید نے کہا: اس سے مناظرہ کرو، ابو یوسف نے کہا امیر المؤمنین تلوار دکھائیں اور اس پر اسلام پیش کریں، اگر اسلام قبول کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے، ایسے شخص سے مناظرہ نہیں کیا جاتا، یہ ملحد ہو گیا ہے۔

اس واقعہ کا ذکر تاریخ خطیب اور موفق کی مناقب میں بھی ہے۔ (۵۸)

ذہبی نے اپنے جز میں بواسطہ علی بن جعد ابو یوسف کے حوالے سے ذکر کیا کہ انہوں نے کہا کہ:

جس شخص نے کہا میرا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے وہ بدعتی ہے۔ (۵۹)

قاضی وکیع نے بواسطہ محمد بن اشکاب (عن ابیہ، عن ابی ہیثم بن خارجہ) ابی یوسف سے روایت

---

(۶۹) تدلیس: سند حدیث میں موجود عیب کو چھپا کر ظاہر کو سنوار کر پیش کرنے کا نام تدلیس ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں، تدلیس الاسناد، تدلیس الشیوخ۔

تدلیس الاسناد: راوی کسی ایسی حدیث کو اپنے معاصر سے روایت کرے جس کی سماع اس معاصر سے اسے حاصل نہیں مگر لفظ ایسا استعمال کرے جس سے سماع کا وہم ہو، حدیث مدلس کے حکم سے متعلق محدثین کا نظریہ یہ ہے کہ اگر مدلس ایسے الفاظ کا استعمال کرے جس سے اتصال کا احتمال ہو تو اگر وہ ثقہ ہے تو اس کی روایت مقبول اور قابل احتجاج ہوگی، اور اگر اتصال سمجھ میں نہ آئے تو اس کی روایت منقطع سمجھی جائے گی اور قابل احتجاج نہیں ہوگی۔

تدلیس الشیوخ: راوی اپنے شیخ کا ایسا نام یا صفت یا کنیت، یا شیخ سے متعلق ایسی نسبت بیان کرے جو مشہور نہ ہو اس قسم کی بعض روایتیں مکروہ ہیں اور بعض حرام ہیں۔

معنعن: ایسی حدیث ہے جس میں راوی عن فلاں عن فلاں کے ذریعے حدیث بیان کرے۔ یہ حدیث بعض شرطوں کے ساتھ متصل سمجھی جاتی ہے۔ اتصال کی پہلی شرط یہ ہے کہ جو راوی یہ حدیث روایت کر رہا ہے وہ تدلیس سے محفوظ ہو۔ اتصال کی دوسری شرط یہ ہے کہ امام بخاری اور علی بن مدینی کے مطابق راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو۔

کیا کہ:

خراسان میں دو قسم کے ایسے لوگ ہیں کہ روئے زمین پر ان سے برا کوئی بھی نہیں یعنی مقاتلیہ اور جہمیہ (مجسمہ اور جبریہ) (۶۰)

آپ نے دیکھا کہ ابو یوسف کس قدر سختی سے سنت پر عمل پیرا تھے اور بدعتیوں سے متعلق کس قدر سخت رویہ اپناتے تھے اس کے باوجود کچھ ایسے لوگ ہیں جو ان کی طرف بدعت کی نسبت کرنے سے خوف الٰہی نہیں رکھتے وہ ان کی کردار کشی کرتے ہیں اور ان پر تجسم اور ارجا کا الزام لگاتے ہیں، (۶۱) اور ابو یوسف اس سب سے بری ہیں۔

جس ارجا کی نسبت ابو یوسف کی طرف کی جاتی ہے وہ سنت کے علاوہ کچھ اور نہیں جس کا تفصیلی بیان میں نے اپنی کتاب تانیب الخطیب میں کیا ہے، بلکہ جو لوگ جانتے ہیں انہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ اس نظریے کے خلاف جو جائے گا وہ خارجی یا معتزلی ہوگا۔ یہاں میں عقیلی (۶۲) جیسے بے عقل ناقد رجال سے متعلق کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں کیوں کہ میں نے اس سلسلے میں بلوغ الامانی ،تانیب الخطیب ، مقدمة نصب الرایہ ،اور تعلیقات جزء ذھبی میں مفصل گفتگو کی ہے، لہٰذا یہاں اسی پر اکتفا مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ حق وصواب کی ہدایت عطا فرمائے۔

(۶۰) مناقب لموفق مکي ج ۲ ص ۲۳۲

امام مالک سے امام ابو یوسف کی ملاقات

امام ابو یوسف جب رشید کے ساتھ حج کے لیے گئے تو اسی سال مدینہ پاک میں ان کی ملاقات امام مالک سے ہوئی۔ اس کا تذکرہ قاضی وکیع نے اخبار القضاۃ میں، ابن ابی عوام نے اپنی مذکورہ کتاب میں اور ابن عساکر نے کشف المغطی میں کیا۔ مشہور ہے کہ ابو یوسف نے رشید کے ساتھ جب حج کیا تو ان سے پوچھا کیا خیال ہے اگر مالک کے ساتھ مسئلہ "ایک شاہد اور مدعی کی قسم" (۶۳) کی بنا پر فیصلے کے جواز پر (جیسا کہ اہل مدینہ کا مذہب ہے) مناظرہ کرلیا جائے؟ امام مالک کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اپنے اصحاب میں سے مغیرہ مخزومی یا عثمان بن کنانہ کو اپنا نائب بنایا۔ ابو یوسف نے گواہی سے متعلق آیت تلاوت کی اور کہا "دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ نے دو گواہ اور چار گواہان کا ذکر کیا ہے، نبی اکرم ﷺ سے صحیح طریقہ سے ثابت نہیں کہ آپ نے اس کے خلاف کوئی فیصلہ کیا ہو، جس حدیث (۶۴) کا آپ حوالہ دے رہے ہیں اس کی بنیاد سہیل عن ابی صالح پر ہے، پھر سہیل سے بھول ہوگئی اور وہ حدثنی ربیعة عنی کے طریقے پر بیان کرنے لگے، جب سہیل سے غلطی ہوگئی تو حدیث باطل ہوگئی"۔ مغیرہ نے کہا "پھر رسول اکرم ﷺ اور حضرت علی نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟" ابو یوسف نے کہا "میں تم سے قرآن کی روشنی میں بات کر رہا ہوں اور تم لوگوں کے افعال سے بات کر رہے ہو؟ کیا خیال ہے قضائے علی ☆ اور ان کے علاوہ کی قضا کا علم تمہیں مجھ سے زیادہ ہے؟" مغیرہ نے کہا "آپ یہ بتایئے کہ اگر کسی نبی نے یمین (قسم) اور ایک شاہد کی بنیاد پر فیصلہ کیا تو آپ اس پر ایمان لائیں گے یا انکار کریں گے؟" ابو یوسف خاموش ہو گئے۔

میں نے ابن عبدالبر کی کتاب الانتقاء پر اپنے حاشیے میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اس

طرح کے مناظر کے ساتھ ابو یوسف کے لیے خاموشی کے علاوہ کچھ اور راستہ بھی نہیں تھا۔ محمد بن حسن نے ہمارے اصحاب کے موقف پر اپنی کتاب الموطا میں اس پر بھرپور دلائل دیے ہیں۔ میں نے النکت الطریفة میں اپنے اصحاب کے دلائل کا مکمل بیان کیا ہے، ساتھ ساتھ امام مالک کے پیروکار کبار علما کی ایک جماعت کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے اس مسئلے میں امام مالک کی مخالفت کی ہے۔

ابن ابی عوام کی کتاب میں امام طحاوی کے حوالے سے ہے کہ:

ہم سے بیان کیا ابن ابی عمران نے، ان سے علی بن صالح اور بشر بن ولید دونوں نے، وہ ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ ابو یوسف نے فرمایا کہ میں مدینہ آیا تو ایک معتمد شخص میرے پاس ''صاع'' لے کر آیا اور کہا یہ نبی اکرم ﷺ کا صاع ہے، اس کی مقدار پانچ رطل اور ایک تہائی ہے۔

ابن ابی عمران نے کہا کہ جس شخص نے ابو یوسف کو صاع دکھایا تھا وہ مالک بن انس تھے۔

---

(۷۱) صلاۃ القفال کا جھوٹا مگر دلچسپ قصہ ملاحظہ کیجیے:

امام الحرمین کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی حنفی مذہب کا متبع تھا، علم حدیث میں بڑی مہارت تھی، مشائخ سے حدیثیں سنتا اور استفسار کیا کرتا، اس نے محسوس کیا کہ اکثر حدیثیں امام شافعی کی مؤید ہیں، کچھ سوچ کر ''مرو'' میں تمام فقہا کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ شافعی اور حنفی مذہب میں جو راجح ہے اس کا بیان کریں، فقہا کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ سلطان کے سامنے دونوں مذہب کے مطابق دو نماز ادا کریں، سلطان خود فیصلہ کرلے گا کہ کون سا مذہب راجح ہے، ابوبکر قفال جو بڑے عالم تھے، انہوں نے پہلے شافعی طریقے سے نماز ادا کی، جس میں خوب اچھی طرح طہارت کا خیال رکھا، سترہ، قبلہ، اور نماز کے دیگر ارکان و فرائض امام شافعی کے مذہب کے مطابق بڑے عمدہ طریقے پر ادا کیے۔ اب دوسری مرتبہ پھر سے نماز پڑھی، یہ نماز امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق تھی، نماز کے لیے انہوں نے کتے کی دباغت دی ہوئی کھال کا لباس زیب تن کیا، لباس کا چوتھائی حصہ نجاست آلود کیا، کھجور کی نبیذ سے وضو کیا، یہ گرمی کا زمانہ تھا ان کے جسم پر مچھر اور مکھیاں بیٹھنے لگیں، جھک کر وضو کیا، پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کے بعد الفاظ فارسی میں اس طرح ادا کیا ''دو برگ سبز''، رکوع، تشہد اور کسی فاصلہ کے بغیر مرغ کی طرح زمین پر دو چونچ ماری، اور پھر سلام کی نیت کیے بغیر آخر میں ہوا خارج کردی، نماز سے فارغ ہو کر کہا یہ ابو حنیفہ کی نماز ہے۔ سلطان نے کہا اگر یہ ابوحنیفہ کی نماز نہیں ہوگی تو تمہاری خیر نہیں ہے، قفال نے احناف کی کتابیں طلب کیں، سلطان نے ایک عیسائی کاتب کو بلایا جو دونوں مذہب پڑھا کرتا تھا، کتابیں لائی گئیں تو احناف کے نماز کی تشریح اسی طرح موجود تھی، سلطان نے حنفی مذہب ترک کردیا اور شافعی مذہب اپنا لیا (ذہبی، تاریخ اسلام ۲/۲۷)

اس قصے کا حرف حرف کذب بیانی کا عکاس ہے، مؤلف نے اس کتاب اور اپنی دیگر تصنیفات میں اس کا زبردست علمی رد کیا ہے اور اس کی کذب بیانی واضح کردی ہے۔

میں نے اس مسئلے پر احقاق الحق میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

مسئلہ وقف سے متعلق طحاوی نے عیسیٰ بن ابان کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو یوسف جب کوفہ سے بغداد آئے تو اوقاف کی بیع سے متعلق ابو حنیفہ کے قول پر تھے یہاں تک کہ اسماعیل بن علیہ نے ''سہام خیبر'' کے صدقے سے متعلق حضرت عمر کا قول (۶۵) بواسطہ ابن عون (عن نافع عن ابن عمر) بیان کیا تو ابو یوسف نے کہا یہ ایسا قول ہے جس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا، اگر ابو حنیفہ تک یہ بات پہنچتی تو یہی قول کرتے اور اس کی مخالفت نہیں کرتے۔

طحاوی نے بکار بن قتیبہ کے حوالے سے ذکر کیا کہ ابو یوسف ہارون رشید کے ساتھ اپنے سفر حج میں بصرہ آئے، اس وقت تک وہ اوقاف کی بیع سے متعلق ابو حنیفہ کے مذہب پر تھے، بصرہ میں جب بھی کوئی اچھی زمین دیکھتے تو اس کے بارے میں پوچھتے، انہیں بتایا جاتا کہ یہ زمین صحابی رسول میں سے کسی نے وقف کی ہے، اس سے ان کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا، پھر مدینے گئے تو وہاں صحابہ کرام کے کچھ صدقات دیکھے، پھر جب بغداد آئے تو اوقاف کی بیع سے متعلق جو کچھ بھی ان کے دل میں تھا ختم ہو گیا۔

ابو یوسف نے مؤطا کا مطالعہ اس وقت کیا جب اسد بن فرات نے اپنے نسخے کی اجازت انہیں مناولتاً دی (۶۶) محمد اس (مناولے) کو ''خوشبوئے علم پر اکتفا'' سے تعبیر کرتے تھے۔ کیوں کہ ابو یوسف مالک کے پاس سفر کر کے نہیں گئے تھے جب کہ محمد سفر کر کے امام مالک کے پاس گئے جیسا کہ معروف ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو یوسف کو امام محمد کی طرح مؤطا کی ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ ابو یوسف کی نگاہ احادیث و آثار پر گہری تھی۔

قاضی وکیع نے اخبار القضاۃ میں بواسطہ محمد بن اسماعیل سہمی مطرف اصم سے روایت کیا کہ ہارون رشید جب مدینے آئے تو ان کے ساتھ ابو یوسف بھی تھے، مالک بن انس کو کہلا بھیجا کہ امیر المؤمنین چاہتے ہیں کہ آپ ان کے پاس آئیں، امام مالک نے لکھ کر جواب دیا کہ امیر المؤمنین میں بیمار ہوں، اگر امیر المؤمنین کچھ چاہتے ہیں تو لکھ کر بتا سکتے ہیں، ہارون رشید ابھی کچھ لکھنا ہی چاہتے تھے کہ ابو یوسف نے کہا ''آپ کسی کو بھیج کر انہیں یہاں بلایئے'' ہارون نے بلا بھیجا، آپ ''دار مروان'' میں آئے، اپنے منصب کے اعتبار سے ہر شخص کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا اور امام مالک کے لیے بھی بیٹھنے کا انتظام کیا گیا۔ ابو یوسف نے ان سے پوچھا کیا خیال ہے آپ کا اس شخص کے

بارے میں جس نے یہ قسم کھائی کہ وہ کبھی نفل نہیں پڑھے گا؟ امام مالک نے کہا ''اس کو مارا جائے گا، جیل میں ڈال دیا جائے گا حتی کہ وہ پڑھنا شروع کر دے''۔ راوی کا بیان ہے کہ اسی اثنا میں ہارون آ گئے، ابو یوسف نے کہا ''امیر المؤمنین مَیں نے مالک سے فلاں مسئلے کے بارے میں پوچھا تو انہوں ایسا جواب دیا''، ہارون نے پوچھا ابو عبداللہ کیا آپ کی یہی رائے ہے؟ امام مالک نے کہا نہیں، ابو یوسف نے کہا آپ نے ابھی ابھی یہ فتویٰ نہیں دیا؟ امام مالک نے کہا ہاں، مگر ابو یوسف عراقی ہیں اگر میں نفل ترک کرنے کا فتویٰ دوں گا تو وہ فرض ترک کرنے کا فتوی دے دیں گے، جہاں تک آپ کی بات ہے تو مجھے اس کا کچھ خوف نہیں۔ جب مالک نکلے تو ابو یوسف بھی ان کے ساتھ نکلے، وہ بیماری کی وجہ سے ان کے کاندھے کا سہارے لیے ہوئے تھے۔ مالک کہتے رہے آپ واپس جائیں، آپ واپس جائیں، ابو یوسف ان کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ گھر پہنچ گئے۔

وکیع نے ہی محمد بن اسماعیل سلمی اور محمد بن عباس کابلی کے حوالے سے بواسطہ عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی مالک سے روایت کیا کہ:

> انہیں معلوم ہوا کہ ابو یوسف کے پاس کوئی شخص یہ مسئلہ پوچھنے آیا کہ مَیں نے قسم کھائی ہے کہ اگر مَیں جاریہ (باندی) خریدوں تو میری بیوی کو طلاق۔ یہ میرے اوپر بڑا گراں گزر رہا ہے کیوں کہ مَیں اپنی بیوی سے بڑی محبت کرتا ہوں اور میرے دل میں اس کے لیے بڑی جگہ ہے۔ ابو یوسف نے کہا کشتی خرید لو، اسے بھی جاریہ کہتے ہیں۔

جس سے مالک کو یہ روایت پہنچی اس نے اس میں ضبط سے کام نہیں لیا کیوں کہ سوال اس بارے میں تھا کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھانے کا ارادہ کرے کہ وہ جاریہ نہیں خریدے گا، تو اسے حکم دیا کہ قسم کھاتے وقت جاریہ سے کشتی کی نیت کر لے۔ ان روایتوں میں تہمی آئے ہیں ابن عدی کے مطابق یہ مالک اور ان کے علاوہ سے باطل روایتیں کرتے ہیں، یونہی مطرف مضطرب الحدیث ہیں (٦٧) اور سلمی پر محدثین نے کلام کیا ہے، جیسا کہ نقد ابن ابی حاتم میں ہے، جہاں تک کابلی کا سوال ہے تو وہ ابن منادی کے نزدیک پسندیدہ نہیں، اور عبدالعزیز کی تضعیف سے متعلق ابو داؤد تنہا ہیں۔ بہر حال یہ روایت بلاغات (٦٨) کی قبیل سے ہے۔

محمد بن اسحاق سے ابو یوسف کی روایت

اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابو یوسف کو سیرت اور مغازی میں کس قدر مہارت حاصل تھی۔ ہلال بن یحییٰ بصری کے حوالے سے ابو یوسف کا مغازی حفظ کرنے کا واقعہ گزر چکا کہ وہ ہر علم میں مہارت رکھتے تھے، کسی بھی علم میں کوئی کمی نہیں تھی۔ محمد بن اسحاق جب کوفہ آئے تو ابو یوسف ان کے ساتھ اس طرح ہو گئے کہ جو کچھ ابن اسحاق کے پاس مغازی کا علم تھا وہ سب کا سب حاصل کر لیا۔ اس درمیان وہ ابو حنیفہ کی مجلس علم سے غائب رہے بلکہ علم آثار و تاریخ میں ابو یوسف کا واقدی سے مدینہ منورہ میں شام کے وقت استفادہ کرنے کا بھی انکار نہیں کیا

---

(۲۷) بلوغ الامانی میں ہے:

امام شافعی سے منسوب دو سفر ہیں، وہ دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ پہلی روایت عبداللہ ابن محمد بلوی کی ہے جو مشہور کذاب ہے، ابن حجر نے توالی التانیس بمعالی ابن ادریس ص اے پر لکھا ہے کہ ان دونوں سفروں کا تذکرہ آبری اور بیہقی وغیرہ نے مطولاً اور مختصراً کیا ہے، فخر رازی نے ان کی روایتوں پر اعتماد کر کے مناقب شافعی میں ان روایتوں کا ذکر کیا ہے اور وہ مکمل جھوٹا واقعہ ہے، اس کا اکثر حصہ موضوع ہے اور اس کا بعض حصہ بعض موضوع روایتوں سے ماخوذ ہے، واقعے کا یہ حصہ تو اور بھی جھوٹ پر مشتمل ہے کہ "ابو یوسف اور محمد بن حسن نے رشید کو شافعی کے قتل پر اکسایا" یہ دو وجہوں سے باطل ہے، اول تو شافعی کے بغداد میں جانے سے پہلے ہی ابو یوسف کی وفات ہو چکی تھی، شافعی کی ان سے ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ دوم یہ کہ ان دونوں کے اندر خوفِ خدا بدرجۂ اتم موجود تھا، لہٰذا کسی مسلمان کے قتل پر امیر وقت کو ابھارنا ان سے متصور نہیں ہو سکتا، اور شافعی نے ان دونوں کی شان میں کوئی تنقیص بھی نہیں کی تھی۔ ان کے دینی مناصب، جلالت شان اور مذہبی شہرت انہیں کب ایسی گھٹیا حرکت کی اجازت دے سکتی تھی۔ صحیح سند سے ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ شافعی نے بغداد کا پہلا سفر ۱۸۴ھ میں کیا اور اس سے دو سال پہلے ہی ابو یوسف کا انتقال ہو چکا تھا، اپنے اس پہلے سفر میں ان کی ملاقات محمد بن حسن سے ہوئی ان سے علم حاصل کیا اور ان کی ہم نشینی اختیار کی، وہ محمد بن حسن کو پہلے سے ہی جانتے تھے، حجاز میں پہلے ان کی ملاقات ہو چکی تھی"۔ (بلوغ الامانی ص ۲۸ و ۲۹)

کوثری کہتے ہیں کہ یہاں میں نے ابن حجر کی بات حرف بہ حرف بیان کی ہے۔

جا سکتا۔ ایک طرف تو وہ شام میں واقدی سے معلومات حاصل کرتے تھے دوسری طرف رشید (جوان کے ساتھ حج میں شریک تھا) کو صبح میں بتایا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ واقدی کو عراق کا سفر کرنا پڑا، جب وہ عراق آئے تو قرون اولی کے علوم کا مخزن ہونے کی وجہ سے ان پر نوازشات کی بوچھار کردی گئی۔

ابن اسحاق اور واقدی دونوں ہی کے بارے میں ائمہ نے کلام کیا ہے۔ امام مالک ☆ ابن اسحاق کے بارے میں سخت کلام کرتے تھے۔ ابن اسحاق ابو حنیفہ کے نزدیک بھی ناپسندیدہ ہیں۔ ابن رجب نے شرح علل ترمذی میں لکھا ہے کہ:

> ابن اسحق کی طرف بہت ساری بدعتوں کی نسبت کی جاتی ہے، بحث و تحقیق کے بعد علما کی رائے یہ ہے کہ ان سے چند شرطوں کے ساتھ مغازی روایت کی جا سکتی ہے، کثرت تدلیس (۶۹) کی وجہ سے ان کا عنعنہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

واقدی سے متعلق میں نے طبقات ابن سعد کے مقدمے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ امام مالک کا ابن اسحاق کے متعلق سخت نظریہ رکھنے کی وجہ یہ بتائی جا سکتی ہے کہ ابن اسحاق نے مالک کے نسب پر طعن کیا تھا جیسا کہ سعد بن ابراہیم کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ وجہ اس لیے درست نہیں کہ ائمہ دین کی راست بازی کا ثبوت زبان اور جنان ہر طرح سے دینا ضروری ہے۔ یہ بہتر نہیں ہے کہ ان کے بارے میں اس طرح کی فرسودہ سوچ کو ہوا دی جائے، تاہم یہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان نفسانی اثرات کے زیر اثر ہے، لہٰذا اس سے بعض چھوٹی اور بے معنی چیزوں کا صادر ہونا بعید بھی نہیں اور پھر فوراً توبہ کر لے یہ بھی کچھ بعید نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

موفق مکی نے بطریق محمد بن موسی الحاسب ذکر کیا کہ ہمیں خبر دی اسحاق بن ابی اسرائیل نے، وہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ:

> میں ابو حنیفہ کے پاس علم حاصل کرنے جایا کرتا تھا مگر اس کی وجہ سے

(۷۳) میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۸۴، تذکرہ نمبر ۳۵۶۳ (۷۴) لسان المیزان ج ۳ ص ۳۳۸، تذکرہ نمبر ۱۳۹۲

دوسرے مشائخ سے سماع حدیث میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی، صاحب مغازی محمد بن اسحاق کوفہ آئے، ہم لوگ ان کے پاس گئے اور مغازی کی سماعت کی درخواست کی، تو انہوں نے ہماری درخواست قبول کر لی، اس درمیان مَیں ابوحنیفہ کی مجلس میں شریک نہیں ہوسکا، ایک مہینے مسلسل ابن اسحاق سے مغازی سماعت کرتا رہا، جب اس سے فارغ ہوا تو ابوحنیفہ کے پاس آیا، ابوحنیفہ نے پوچھا ''یعقوب یہ بھی کوئی جفا ہے'' مَیں نے کہا ایسا کچھ بھی نہیں، بات یہ تھی کہ محمد بن اسحاق مدینی یہاں آئے ہوئے تھے، موقع غنیمت سمجھ کر ان کی مغازی کی سماعت میں مشغول ہوگیا تھا، ابوحنیفہ نے مجھ سے کہا ''اے یعقوب اگلی بار جب آپ ان کے پاس جائیں تو پوچھیے گا کہ معرکہ طالوت و جالوت میں طالوت کی فوج کا اگلا دستہ کون تھا، اور جالوت کے جھنڈے کس کے ہاتھ میں تھے؟'' ابو یوسف نے کہا ان باتوں کو چھوڑیے، یہ کیسی بات ہے کہ ایک شخص علمی برتری کا دعویدار ہو اور جب اس سے پوچھا جائے کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا احد تو اسے اس کا کچھ پتہ نہ ہو۔ (۷۰)

مذکورہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے اور اس سے ابو یوسف کی ذات پر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا یا ان پر ملامت نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے محمد بن اسحاق سے مغازی سماعت کی، اس بات پر بھی کوئی ملامت نہیں کہ ابوحنیفہ نے ابواسحاق کے علم مغازی پر عدم اطمنان کا اظہار کیا، ابوحنیفہ نے مغازی شعبی جیسی قدآور شخصیت سے حاصل کیا، جن کے علم وفضل کا اعتراف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ مغازی ہی پر انہوں نے سارا زور صرف نہیں کیا۔ مذکورہ روایتوں میں ابوحنیفہ اور ابو یوسف میں سے کسی پر بھی طعن نہیں اور نہ ہی اس کی سند پر کوئی اعتراض ہے، تاہم ابن خلکان نے معافی الجریری کی الجلیس الصالح کے حوالے سے بلاسند جو بات نقل کی ہے اس میں خیانت ہے، کاش اس میں سند کا ذکر ہوتا تو اس کا جھوٹ قارئین کے سامنے واضح

(۷۵) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۰۶، تذکرہ نمبر ۷۳۴۶۲۴۹

ہوجاتا، اور اس جھوٹ کی بنیاد پر لوگ اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔

الجلیس الصالح میں مذکورہ نص سند کے ساتھ، مجلس ترپن میں اس طرح ہے:

ہم سے بیان کیا محمد بن حسن بن زیاد مقری نے، ان سے روایت کی محمد بن خزیمہ نے نیساپور میں، ان سے مزنی نے، ان سے شافعی نے، کہ قاضی ابو یوسف محمد بن اسحاق یا کسی اور کے پاس مغازی کی سماعت کے لیے گئے، جس کی وجہ سے چند روز ابوحنیفہ کی مجلس میں شریک نہیں ہوسکے۔ جب وہ آئے تو ابوحنیفہ نے کہا ابو یوسف جالوت کا جھنڈا کس شخص کے پاس تھا، ابو یوسف نے کہا آپ امام ہیں اگر خاموش نہیں ہوئے تو خدا کی قسم تمام لوگوں کے سامنے آپ سے یہ سوال کروں گا کہ بدر کی جنگ پہلے لڑی گئی یا احد؟ کیوں کہ آپ کو یہ پتہ نہیں کہ کون سی جنگ پہلے لڑی گئی، پھر ابوحنیفہ خاموش ہوگئے۔

ان دونوں روایتوں میں فرق بالکل واضح ہے، یہی ہے جھوٹ کا پلندا جو چھپائے نہیں چھپتا، الجلیس الصالح کی روایت من گھڑت ہے۔ اس پر ایک زبردست قرینہ حالیہ ہے، کیوں کہ ابو حنیفہ کے اصحاب نے مسانید ابی حنیفة میں ابوحنیفہ ہی کے حوالے سے حضرت عمر کا اپنے رجسٹر میں بدری صحابہ کو دیگر غزوات میں شریک ہونے والے صحابہ پر فضیلت دینے کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت ولقد نصرکم الله ببدر وانتم اذلة بھی رات و دن ابوحنیفہ کی تلاوت میں رہا کرتی تھی، یہ وہی آیت ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کا نزول غزوہ احد کے موقع پر ہوا۔ اس طرح کی باتیں تو صغار اہل علم سے پوشیدہ نہیں تو جو امام الائمہ اور شیخ الفقہا ہو اس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

ابوحنیفہ ہی نے تو السیر الصغیر اپنے اصحاب کو املا کروائی ہے، جس کا رد اوزاعی نے کیا اور ابوحنیفہ کی طرف سے ابو یوسف نے ہی جس کا دفاع کیا۔ پھر ایسا کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ ابو یوسف کی نظر میں ابوحنیفہ مغازی اور تاریخ میں اس قدر بے علم ٹھہریں کہ ابو یوسف ان سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہوجائیں کہ بدر پہلے ہوئی ہے یا احد؟ جب کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے مکتب میں پڑھنے والے بعض طالب علم بھی ناآشنا نہیں، یا پھر یہ تسلیم کیا جائے کہ ابو یوسف نے

اپنے استاذ کی بے ادبی کی ہے، اور یہ بھی گمان نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ابو حنیفہ نے جس طرح علم حاصل کرنے میں ابو یوسف کا مالی اور علمی تعاون کیا اس کے لیے ابو یوسف ہمیشہ سراپا سپاس رہتے تھے اور اپنے استاذ کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑتے۔

مگر کیا کیا جائے ابن خلکان کو تو ایسی روایتیں لکھنے میں مزا آتا ہے جن سے امام الائمہ کی حیثیت مجروح ہوتی ہو، خواہ وہ روایتیں کیسی ہی گئی گزری کیوں نہ ہوں، وہ تو حماد بن عجرد (جس کا حال واضح ہے) جیسے شخص سے سیسہ کے لوٹوں والا افسانوی قصہ لکھنے میں بھی ذرا دریغ نہیں کرتے، اور اسی طرح قفال کی نماز والے قصے (۷۱) کو لکھنے میں بھی ذرا دریغ نہیں کرتے، جس کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اس میں وہی شخص شک کر سکتا ہے جس کے دل پر پردہ پڑا ہوا ہے، جب کہ یہی ابن خلکان کسی بھی ایسی روایت سے گریز کرتے ہیں جس سے ان کے امام کی حیثیت مجروح ہوتی ہو۔

جہاں تک صاحب الجلیس الصالح کی بات ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انہوں نے ہی یہ ذکر کیا ہے کہ مامون نے امام شافعی کو بیس رطل نبیذ پینے پر ابھارا، امام شافعی نے پی بھی اور اس سے ان کی عقل متاثر بھی نہیں ہوئی جیسا کہ لسان المیزان میں بھی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مامون کے عہد خلافت میں امام شافعی کی ملاقات ان سے کبھی ثابت ہی نہیں۔ مذکورہ واقعے کی طرح یہ بھی محض من گھڑت ہے۔ اگر ابن خلکان سند ذکر کر دیتے تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی اور عام لوگوں کو روایت کی حقیقت کا پتہ چل جاتا۔

جہاں تک معافی جریری کی بات ہے تو وہ ان ناقلین میں سے نہیں جو غور و فکر کرنے کے بعد کسی چیز کو نقل کرتے ہیں، ان کی کتاب میں سنجیدگی اور مزاح دونوں ہیں، لطائف و ظرائف اور حکایات و مضحکات کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ وہ قصہ خواہ کتنی ہی گھٹیا سند سے ہے اور خواہ وہ قصہ بڑے سے بڑے امام کے بارے میں ہو، ان کی کتاب ان ادبی کتابوں کی طرح ہے جن کے مصنفین واقعات نقل کرنے میں تحقیق نہیں کرتے۔

اس واقعے کی سند میں محمد بن حسن بن زیاد مقری ہیں، یہ نقاش ہیں اور ان کا کذب مشہور ہے، تفسیر میں ان کی کتاب شفاء الصدور ہے۔ ان کے بارے میں تفصیل جاننا

خطیب کی تاریخ بغداد، ذہبی کی میزان الاعتدال اور ابن حجر کی لسان المیزان کا مطالعہ کیجیے۔

طلحہ بن محمد الشاہد نے ان کے بارے میں کہا ''نقاش حدیث کے بارے میں جھوٹ بولا کرتے تھے'' انہوں نے اکثر قصوں کا ذکر کیا ہے۔ برقانی نے کہا ''نقاش کی تمام حدیثیں منکر ہیں، ان کی تفسیر میں ایک بھی صحیح حدیث نہیں''، لالکائی نے کہا ان کی کتاب اشفاء الصدور (یعنی دلوں کو ہلاکت کے دہانے پر ڈالنے والی) ہے نہ کہ شفاء الصدور (یعنی دلوں کا علاج کرنے والی) ہے۔ خطیب نے کہا ان کی حدیثوں میں مشہور سند کے ساتھ بہت ساری منکر باتیں ہیں، ذہبی نے کہا ''وہ کذاب ہے''، دانی نے ان کی تعریف اس لیے کی ہے کہ دوری کی وجہ سے نقاش کے حالات کا ان کو صحیح علم نہیں ہو سکا۔

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے جس کا آپ نے مطالعہ کیا۔ یہی لوگ ہیں جو ائمہ اعلام پر انگلیاں اٹھاتے ہیں یا ایسی روایتیں ذکر کرتے ہیں جن سے ان کی حیثیت عرفی مجروح ہو مگر حقائق کو کبھی بھی چھپایا نہیں جا سکتا۔

(۷۶) المناقب ج ص ۲۲۴ و ۲۲۵۔ اخبار ابی حنیفہ ج ۱/ ص ۱۰۳

کیا امام شافعی اور ابو یوسف کی ملاقات ثابت ہے؟

ابو یوسف کی ملاقات امام شافعی سے دونوں کے ہم عصر ہونے کی وجہ سے ممکن ہے۔ابو مؤید خوارزمی نے سند کے بغیر اپنی کتاب جامع المسانید میں نبیذ سے متعلق شافعی کا ابو یوسف سے سوال نقل کیا ہے۔ساتھ ساتھ مناقب شافعی پر لکھی گئی کتب (جن میں امام شافعی کے مشائخ کا استقصا کیا گیا ہے) میں جن لوگوں نے شافعی سے اخذ روایت کیا ہے، ان میں مذکور راوی حسن بن ابی مالک کا ذکر راویوں کی فہرست میں نہیں ہے۔شافعی کے مشائخ رواۃ کا جزم کیا جائے تو اس کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ وہ دونوں کبھی اکٹھا ہوئے ہی نہیں۔اگر اس بارے میں کوئی معتمد سند ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ امکان لقا کافی تھا اگرچہ اس روایت کے علاوہ میں ان دونوں کا اجتماع ثابت نہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ اصل عبارت میں "یوسف" تھا اور سہواً "ابا" کا اضافہ ہو گیا۔یہ یوسف بن خالد سمتی ہیں جو باتفاق امام شافعی کے مشائخ میں سے ہیں۔

جہاں تک ابن جوینی کا اپنی کتاب مغیث الخلق اور المستظہری میں یہ دعویٰ کرنا کہ امام شافعی نے ابو یوسف سے رشید کی موجودگی میں چند مسائل پر مدینہ منورہ میں اور ایک مسئلے پر مکہ مکرمہ میں مناظرہ کیا ہے تو اس کا بطلان میں نے کئی وجہوں سے احقاق حق صفحہ ۱۰ اور ۱۱ میں کر دیا ہے، یہاں اس کے اعادے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کا غلط ہونا بالکل واضح ہے۔

یہ دعویٰ کرنا کہ شافعی کی ملاقات ابو یوسف سے ۱۸۴ھ میں رشید کی مجلس میں اس وقت ہوئی جب وہ ایک سفر کے ذریعے عراق پہنچے جس کو عبد اللہ بن محمد بلوی اور احمد بن موسیٰ نجار نے روایت کیا ہے، بھی صحیح نہیں کیوں کہ ابو یوسف کی وفات اس تاریخ سے دو سال پہلے ہو چکی تھی۔ایسا بھی نہیں کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا ہو اور دونوں کی ملاقات ہو گئی ہو کیوں کہ ابھی

بعث کا وقت نہیں آیا ہے۔ ممکن ہے کہ ابو یوسف کو اس مجلس سے کسی شخص کے ذریعے باہر نکلوا دیا گیا ہو جیسا کہ بعض لوگ بے ہودہ مذاق کرتے ہیں۔

یہاں ایک اور من گھڑت سفر کا قصہ ہے جن دونوں کا حال مَیں نے بلوغ الامانی صفحہ ۲۸ میں بیان کیا ہے، (۲۷) بلوی کی روایت کی فضیحت کے اور بھی مختلف وجوہ ہیں ان میں سے یہ ہے کہ ابو یوسف کی وفات اس تاریخ سے دو سال پہلے ہی ہو گئی (جیسا کہ بیان ہوا) معاصرت کے باوجود دونوں میں اصلاً ملاقات ہی ثابت نہیں۔ محمد بن حسن کی طرف جس ظلم کی نسبت کی گئی ہے اس کا بھی حقیقت سے بالکل تعلق نہیں کیوں کہ انہوں نے ہی شافعی کو اس ابتلا سے بچایا تھا۔ شافعی نے بعد میں ان سے اونٹ پر لدی ہوئی کتاب کے برابر علم حاصل کیا۔ یہ شافعی کے اخذ وتلقی کا زمانہ تھا، اس وقت امامت کے درجے پر فائز بھی نہیں ہوئے تھے کہ یہ خیال کیا جا سکے کہ ان سے کسی نے حسد کیا ہے۔ یہ بھی کہ شافعی ہر وقت ان کے فضل کا اعتراف کیا کرتے تھے، یوں ہی امام شافعی محمد بن حسن کی وفات کے چھ سال بعد جب ۱۹۵ھ میں دوسری بار عراق آئے تو اجتہاد کا دعویٰ کیا اور اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو بلایا، ان سب کی توضیح مَیں نے اپنی کتاب بلوغ الامانی ،احقاق الحق اور تانیب الخطیب وغیرہ میں کی ہے۔ ان تمام قرائن کی روشنی میں یہ کہنا کہ ۱۸۴ھ میں عراق میں شافعی کی ملاقات ابو یوسف اور محمد بن حسن سے ایک ساتھ رشید کی مجلس میں ہوئی اور ان دونوں نے انہیں قتل کرانے کی سازش کی، بالکل جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ اگرچہ اس سفر کا تذکرہ آبری، ابو نعیم اصفہانی اور بیہقی جیسے افراد نے کیا ہے، جب ان جیسے حضرات اس قسم کے عجیب وغریب قصے کو نقل کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے تو پھر اس میں کیا حیرت ہے کہ عبد الملک بن جوینی، ابو حامد طوسی، اور فخر رازی جیسے لوگ اس سے دھوکے میں آجائیں اور اس پر اعتماد کر کے اپنے مذہب کی ترجیح کے بیان میں اس جھوٹے قصے کو نقل کر دیں، اپنے دلوں میں اصحاب ابو حنیفہ کے خلاف حقد وعناد کی آگ رکھتے ہوئے، ان لوگوں نے گمان کیا کہ جو کچھ اس قصے میں بیان کیا ہے وہ درست ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا جیسا کہ ان حضرات کا خیال ہے تو اصحاب ابو حنیفہ تو دنیا کے بدترین انسان ہوتے مگر وہ اس طرح کی تہمتوں اور بے بنیاد باتوں سے بری ہیں اور اس کے جھوٹ و بطلان پر خود وہ سفر شاہد عدل ہے اور تاریخ کی

شہادت اس پر مستزاد۔ یہ اور بات ہے کہ ابن جوینی، غزالی، اور فخر رازی وغیرہ معقولات اور جدلیات میں انہماک اور منقولات میں گہرائی نہ ہونے اور رجال پر عدم دسترس کی وجہ سے اس کے بطلان پر متنبہ نہ ہو سکے اور انہیں لوگوں کی نقل پر اعتماد کر کے اس واقعہ کا ذکر کر دیا۔

ذہبی نے میزان میں کہا عبداللہ بن محمد البلوی نے عمارہ بن زید کے حوالے سے دار قطنی کا قول نقل کیا کہ وہ حدیث گھڑا کرتا تھا۔ ذہبی کہتے ہیں کہ ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں ''استقا'' سے متعلق موضوع روایت نقل کی ہے۔(۷۳) ابن حجر نے لسان المیزان میں کہا کہ یہی وہ ہیں جنہوں نے شافعی کے سفر کو نمک مرچ لگا کر بیان کیا ہے، ان میں اکثر باتیں من گھڑت ہیں۔(۷۴) توالی التانیس میں ہے کہ وہ سفر جو شافعی کی طرف منسوب ہے جو بطریق عبداللہ بن محمد البلوی مروی ہے آبری اور بیہقی کے علاوہ کئی لوگوں نے مختصراً اور مطولاً ذکر کیا ہے، اسی کو فخر رازی نے مناقب شافعی میں اس پر اعتماد کر کے بغیر سند کے نقل کر دیا، یہ جھوٹا واقعہ ہے، اس کی اکثر باتیں موضوع ہیں، اس کے بعض من گھڑت جسے بعض گھڑی ہوئی روایتوں سے ماخوذ ہیں۔

ذہبی کہتے ہیں احمد بن موسیٰ نجار وحشی حیوان ہے۔ ذہبی نے محمد بن سہل اموی کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ''ہم سے عبداللہ بن محمد بلوی نے بیان کیا'' آگے امام شافعی کی ابتلا سے متعلق اسی جھوٹی کہانی کا ذکر کیا ہے غور وفکر کرنے والوں پر جس کا کذب آشکارا ہو جاتا ہے۔(۷۵) ابن حجر نے بھی لسان میں اس کے جھوٹا ہونے کی تصدیق کی۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ (ج ۱۰ ص ۱۸۲) میں کہا ہے کہ عبداللہ بن محمد بلوی کذاب کی روایت پر اعتماد کر کے جس نے یہ سمجھا کہ شافعی کی ملاقات ابو یوسف سے ہوئی اس نے غلطی کی۔ ۱۸۴ھ میں پہلی مرتبہ شافعی بغداد آئے تھے، محمد بن حسن شیبانی سے آپ کی ملاقات ہوئی، وہ شافعی کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ بعض کم علم لوگوں نے بے ہودہ باتیں اڑا دی ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بڑی دشمنی تھی حالانکہ حقیقت سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں۔

ان تصریحات کے بعد نووی نے المجموع (ج ا ص ۸) میں جو لکھا وہ قابل تعجب ہے۔ لکھتے ہیں کہ شافعی کے سفر سے متعلق ایک تصنیف مشہور اور مسموع ہے۔

---

(۷۷) یہ تمام اقوال اخبار ابی حنیفۃ ج ا ص ۱۰۳ میں موجود ہیں۔

یوں ہی تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۵۹) کے یہ الفاظ بھی قابل حیرت ہیں کہ شافعی جب ہارون رشید کے پاس سے نکلے تو قاضی ابو یوسف نے ان کو سلام کہلا بھیجا اور کہا کہ آپ تصنیف کیجیے کیوں کہ اس زمانے میں آپ تصنیف وتالیف کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

سخاوی المقاصد الحسنۃ (ص ۲۲۲) میں رقم طراز ہیں:

> یوں ہی یہ جو کہا گیا ہے کہ رشید کے پاس شافعی کی ملاقات ابو یوسف سے ہوئی باطل ہے، کیوں کہ شافعی کی ملاقات رشید سے ابو یوسف کی وفات کے بعد ہوئی ہے، ہمارے شیخ نے کہا ایسے ہی شافعی کا وہ سفر جس میں یہ تذکرہ ہے کہ انہوں نے رشید سے ملاقات کی اور محمد بن حسن نے رشید کو شافعی کے قتل پر اکسایا باطل ہے۔

توالی التانیس میں بھی اسی طرح کے جملے ہیں، لہذا نووی نے جو کچھ بیان کیا اس کو ان کے چند ہفوات میں سے ایک سمجھنا چاہیے۔ جہاں تک ابن غانم کی بات ہے تو وہ اہل روایت میں سے ہے ہی نہیں، اگر اس سے ہفوات صادر ہوتے رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں، ہم اس کا رد کرنا نہیں چاہتے۔

میرا خیال ہے کہ عہد اول میں اس طرح کی موضوع روایتوں کی وجہ امام شافعی سے عقیدت نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ اس قدر بلند مرتبے پر فائز ہیں کہ من گھڑت قصہ گو لوگوں کی کہانیوں کی انہیں کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا مقصد مشرق اسلامی میں پھیلی ہوئی دو عظیم جماعتوں حنفی اور شافعی مسلمانوں کے درمیان دسیسہ کاریوں کے ذریعے فتنہ اور فساد پھیلانا تھا۔ اب جب کہ وضعی روایتوں کی حقیقت سامنے آگئی تو اس کے باوجود ایسی کتابوں کی نشر واشاعت کرنے والے بھی اصل واضعین کے ہی حکم میں ہوں گے۔ لہٰذا ان برحق ائمہ کرام کا دفاع بھی ضروری ہے۔ اللہ کی توفیق اور مدد سے میں نے یہ کام انجام دیا اور اس قدر روشن دلائل سے حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ جس سے تعصب کی آنکھ رکھنے والوں کی سانس گھٹ کر رہ جائے گی، گروہ بندی کے نقصانات سمجھ میں آجائیں گے اور ائمہ کرام کے درمیان دسیسہ کاریوں سے باز رکھنے میں معاون ثابت ہوں گے۔ میری بیان کی ہوئی دلیلوں میں جس کو شک وشبہ ہو تو دلائل و براہین کے ساتھ اسے رد

(۷۸) المناقب ۲/۲۴۲

کرسکتا ہے بلکہ علمی رد کرنے والوں کو ہم پوری طرح خوش آمدید بھی کہیں گے اور ان کی دلیلوں کے سامنے سر تسلیم خم بھی کریں گے۔ لیکن جو شخص الفاظ کے مدلولات اور پیش کردہ دلائل سے جان چھڑا کر بے تکی باتیں کرے گا اور ایسے اقوال لائے گا جس کا میری بات سے کچھ بھی تعلق نہیں تو یہ اس کے محدود مطالعے اور اس کی تنگ نظری کی دلیل ہوگی۔ جو شخص اس کی پروانہ کرتا ہو کہ وہ کسی شخص کے قلت افتا کو یہ کہہ کر چھپائے کہ وہ صرف واقع ہونے والے مسائل ہی کا جواب دیا کرتے تھے تو یہ خود اس شخص کی غباوت کی تصریح ہے، اسی طرح اگر قائل کے اس قول پر رد کرتے ہوئے کہ ''مشرق و مغرب اور قریب و بعید کے تمام عاقلین اور عامہ مسلمین کو مذہب شافعی اختیار کرنا واجب ہے کیوں کہ وہ قریشی تھے اور حدیث میں ہے کہ امامت قریش ہی میں ہوگی'' کوئی امام شافعی کے نسب میں شوافع ہی کی کتابوں سے اختلاف یاد دلائے، اور مذکورہ حدیث پر محدثین کے کلام کا ذکر کرے تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ وہ رد کرنے والا امام شافعی کے نسب میں طعن کر رہا ہے، یقیناً سلامتی فکر سے محروم ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ نسب میں طعن مثالب کے ذکر سے ہوتا ہے نہ کہ ایسے شخص کو نسب میں اختلاف یاد دلانا جو تمام ائمہ متبوعین کی امامت کو رد کرنا چاہتا ہے۔

(۷۹) مرجع سابق (۸۰) مرجع سابق ج ۲ ص ۲۳۴

ابو یوسف کی بعض حکایتیں اور اہل حدیث سے ملاطفت

ابن ابی عوام نے طحاوی کی روایت سے بکار ابن قتیبہ کے حوالے سے نقل کیا کہ انہوں نے ابو ولید طیالسی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ جب ابو یوسف اپنے سفر حج میں ہارون رشید کے ساتھ بصرہ آئے تو اہل حدیث اور اہل رائے ان کے دروازے پر جمع ہو گئے اور دونوں میں سے ہر ایک جماعت نے پہلے اندر آنے کی اجازت چاہی، ابو یوسف نے جھانک کر دیکھا، کسی کو بھی آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی ان میں سے کسی کو پہلے پہل اجازت چاہنے پر سخت ست کہا بلکہ دونوں جماعتوں سے مخاطب ہو کر کہا "مَیں دونوں ہی جماعتوں میں سے ہوں، کسی کو کسی سے پہلے آنے کی اجازت نہیں دوں گا، مَیں ہر ایک فریق سے سوال کرتا ہوں جو صحیح جواب دے گا وہ اور اس کے ساتھی پہلے اندر آنے کے مستحق ہوں گے" پھر انہوں نے اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی نکالی اور کہا اگر کوئی شخص میری اس انگوٹھی کو چبائے یہاں تک کہ اسے پوری طرح توڑ ڈالے تو میرا اس پر کیا واجب ہو گا؟ روای کا بیان ہے کہ اہل حدیث کے درمیان اختلاف ہوا اور ان لوگوں کو ابو یوسف کی یہ بات اچھی نہیں لگی، اہل رائے میں سے ایک شخص نے جواب دیا اس شخص پر ڈھلے ہوئے چاندی کی قیمت واجب ہو گی اور چبائی ہوئی انگوٹھی وہ لے لے گا، تاہم اگر انگوٹھی کا مالک چاہے تو وہ چبائی ہوئی انگوٹھی رکھ سکتا ہے، ایسی صورت میں چبانے والے پر کچھ بھی واجب نہیں ہو گا۔ ابو یوسف نے کہا جس نے یہ جواب دیا وہ اور اس کے احباب کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ ابو ولید طیالسی کہتے ہیں کہ اہل رائے اور ان کے ساتھی اندر داخل ہوئے تو مَیں بھی ان کے ساتھ اندر چلا گیا۔ ابو یوسف نے پہلی مجلس میں حسن بن صالح کے حوالے سے ایک حدیث املا

(۸۱) مرجع سابق ص ۲۳۲ (۸۲) مرجع سابق ص ۲۳۰

کروائی، پھر میں سمجھ نہیں سکا کہ ان کے دل میں کوئی بات آئی یا کسی شخص نے کچھ پوچھا، انہوں نے کہا میں کسی شخص پر اتنا خوف نہیں کھاتا جتنا کہ اس شخص پر مجھے خوف ہوتا ہے جو حسن بن صالح کے بارے میں کچھ کلام کرے۔ طیالسی کہتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ ابو یوسف کی مراد غالباً شعبہ ہیں۔ میں اسی وقت ان کی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دل میں یہ کہا کہ بخدا ایسی مجلس میں نہیں بیٹھوں گا جس میں ابو بسطام کو برا بھلا کہا جائے۔ پھر میں نے اپنے دل کی طرف توجہ کی اور کہا یہ تو پورے علاقے کے قاضی ہیں اور امیر المومنین کے وزیر اور حج میں ان کے ساتھی ہیں۔ میری ناراضگی اور رضا سے ان کی شخصیت پر بھلا کیا فرق پڑے گا۔ یہ سوچ کر میں واپس مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو میری طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور مجھے مخاطب کر کے کہا اے ہشام (انہوں نے مجھے مخاطب کیا کیوں کہ میں ان کے پاس بغداد میں جایا کرتا تھا) بخدا میں نے ابو بسطام سے کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا، میرے دل میں ان کا احترام آپ سے کہیں زیادہ ہے لیکن میں نے حسن بن صالح کی طرح کسی شخص کو نہیں پایا۔

بکار بن قتیبہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ جب بلال بن یحییٰ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا خدا کی قسم میں ہی وہ ہوں جنہوں نے ابو یوسف کو انگوٹھی والے مسئلے کا جواب دیا تھا، قتیبہ (یعنی میرے والد) مجلس میں ہمارے ساتھ موجود تھے اور وہ اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ ابو یوسف نے اس دن ہم لوگوں کو مکاتب سے متعلق کچھ لکھوایا تھا، جب وہ اس سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کے درمیان سے میں آگے بڑھا اور ان سے کہا "صرف" میں تو آپ کا خیال ایسا نہیں ہے، کیا اس قول کو بدل دیں اور یہ لکھ دیں، یا اس قول کو ختم کر دیں اور اس کو لکھ لیں؟ ابو یوسف نے کہا دونوں کو اپنی جگہ رہنے دو، ممکن ہے میرے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں جو ان دونوں میں فرق پیدا کر سکیں۔ (۷۶)

ابن ابی عوام ہی نے حسن بن قاسم بن عبدالرحمٰن دمشقی کے حوالے سے تخریج کی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسن بن صالح بن مہران نے بیان کیا، وہ عرزم بن فروہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا قاضی ابو یوسف حج سے فارغ ہو کر جب حجاز آئے تو واقدی کو ابتر حال میں

(۸۳) مرجع سابق ص ۲۳۰ (۸۴) مرجع سابق ص ۲۳۲

دیکھا، انہیں اپنے ساتھ بغداد لے آئے، رشید کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور ساتھ ہی یحییٰ بن خالد کو بھی سلام کیا، یحییٰ نے کہا ابو یوسف آپ مکہ سے میرے لیے کیا تحفہ لے کر آئے ہیں؟ ابو یوسف نے کہا میں آپ کے لیے ایسا تحفہ لایا ہوں کہ مجھ سے پہلے کسی نے بھی کسی کو اور نہ آپ کو ایسا تحفہ دیا۔ یحییٰ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابو یوسف نے کہا ایک آدمی لایا ہوں جس سے آپ جو کچھ سوال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، یحییٰ نے کہا پھر جلد حاضر کیجیے، واقدی کہتے ہیں کہ ابو یوسف نے مجھے ان کے پاس بھیج دیا، وہ مجھ سے دن بھر سوال کرتے رہے، جب رات ہوئی تو انہوں نے اپنے بستر کے قریب ہی میرے سونے کا انتظام کروایا، جب صبح ہوئی تو دوات اور کاغذ منگوایا اور ایک خط لکھ کر اپنے ایک خادم کو دیا اور تنبیہ کی کہ شیخ جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو انہیں لے کر فلاں کے پاس چلے جانا اور میرا یہ خط اسے دے دینا، جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو خادم نے مجھ سے کہا میرے ساتھ چلیے، وہ مجھے ایک شخص کے پاس لے گیا اور خط اس کے حوالے کر دیا، اس شخص نے خادم کو واپس جانے کی اجازت دے دی اور مجھے روک لیا، اس نے کچھ غلام بلائے اور انہیں چمڑے کا فرش بچھانے کا حکم دیا، پھر وہ چاندی کے سکوں کی تھیلیاں باہر نکال کر اس پر رکھنے لگے۔ جب دن چڑھ آیا میں نے کہا بھئی میرے پاس اور بھی کام ہے، اگر اجازت دیں تو میں چلوں؟ اس نے کہا میں آپ ہی کا کام کر رہا ہوں، وزیر نے مجھے یہ لکھ بھیجا ہے کہ میں آپ کو ایک لاکھ درہم دوں، میں نے کہا تھوڑا ٹھہر جاؤ، مجھے صرف دس ہزار درہم دے دو اور باقی اپنے پاس رکھ لو، پھر میں ابو یوسف کے پاس لوٹ آیا اور ان کو یہ ساری باتیں بتا دیں، ابو یوسف نے کہا آپ نے اسی قدر پر اکتفا کیا، یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے جب تک اور کچھ اضافہ نہ کر دوں۔

یہ تھی ابو یوسف کی نگاہ میں واقدی کی قدر و منزلت، وزیر پر ابو یوسف کے احکام کی پیروی اور ہر ایک کے نزدیک اس زمانے میں علم کی قدر۔

انہوں نے ہی طحاوی کے حوالے سے تخریج کی، وہ عبدہ بن سلمان سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیم بن جراح سے کہ انہوں نے کہا میں نے جب بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو ابو یوسف سے پوچھا کہ وہاں کس عالم کی صحبت اختیار کروں؟ ابو یوسف نے کہا حماد بن زید کی اور ان کی بڑی

(۸۵) تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۴ / ص ۲۴۹

فضیلت بیان کی۔ جب مَیں بصرہ آیا تو حماد کی صحبت اختیار کر لی، خدا کی قسم جب بھی ابو یوسف کا تذکرہ آتا تو حماد کچھ نہ کچھ برائی بیان کر ہی دیتے۔

مَیں ایک دن ان کے پاس تھا کہ ایک عورت آئی اور ان سے یہ درخواست کرنے لگی کہ وہ ان کے لیے شرط لکھ دیں، حماد پر اسے لوٹانا گراں گزر رہا تھا، دوسری طرف وہ اصحاب حدیث سے بھی بے توجہی برتنا نہیں چاہ رہے تھے، دل ہی دل میں وہ ایک عجیب کشمکش میں تھے، مَیں نے ان سے کہا ابو اسماعیل آپ اس عورت سے کہہ دیں کہ وہ اپنا کاغذ میرے حوالے کر دے، مَیں لکھ دوں گا، حماد نے ایسا ہی کیا اور حدیث کا درس روک دیا تا کہ وہ میری تحریر پر توجہ دے سکیں، مَیں نے ان سے کہا اس کی ضرورت نہیں ہے آپ درسِ حدیث جاری رکھیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، جب مَیں لکھ کر فارغ ہو گیا تو کاغذ حماد کو دکھایا، انہوں نے اسے پڑھا اور بہت پسند کیا، پھر کہنے لگے آپ نے یہ کہاں سے سیکھا؟ مَیں نے جواب دیا اسی شخص سے کہ جب اس کا ذکر آپ کے پاس آتا ہے تو آپ کچھ نہ کچھ برائی کر ہی دیتے ہیں اور انہوں نے مجھے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت بھی کی تھی کہ بصرہ میں آپ کے علاوہ کسی اور کی صحبت اختیار نہ کروں، حماد نے پوچھا وہ کون ہیں؟ ابراہیم نے کہا ابو یوسف، حماد اس پر شرمسار ہو گئے اور پھر اس کے بعد جب بھی ان کا ذکر کرتے تو اچھائی کے ساتھ کرتے۔

اس واقعے میں اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ابو یوسف محدثین یا اہل روایت کے متعلق کتنا منصفانہ مزاج رکھتے تھے۔ دوسری طرف ابن جراح کی شرح صدر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے شیخ کی برائی کا کوئی موقع بھی ان کے سامنے ہاتھ سے نہیں گنوایا جاتا اس کے باوجود وہ حکمت کے ساتھ ان سب کو برداشت کرتے رہے اور جب موقع ملا تو حماد کو ابو یوسف کی برائی سے روکنے میں کامیاب ہو گئے، یہ بھی معلوم ہوا کہ اصحابِ حدیث کی ہمارے اصحاب کے بارے میں زبان درازی بالکل بے جا ہے۔

ابن ابی عوام نے طحاوی سے روایت کی انہوں نے ابو حازم سے، انہوں نے حسن بن موسیٰ سے اور انہوں نے بشر بن ولید کے حوالے سے کہ ابو یوسف نے محمد بن حسن کے بارے میں فرمایا:

(۸۶) المناقب ج ۲ ص ۲۲۷

وہ ایسی زبردست تلوار ہیں جس میں زنگ لگی ہوئی ہو اور جس کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

حسن بن زیاد کے بارے میں فرمایا:

وہ میرے نزدیک ایک ایسے کیمسٹ کی طرح ہیں کہ جب اس سے کوئی آدمی دست آور دوا مانگتا ہے تو وہ اسے روکنے کی دوا دیتا ہے اور جب روکنے کی دوا مانگتا ہے تو وہ اسے اتارنے کی دوا دیتا ہے۔

بشر کے بارے میں فرمایا:

وہ رفو کرنے والی سوئی کی طرح ہیں جس کا کنارہ نہایت باریک اور مدخل لطیف ہوتا ہے اور بہت جلد ٹوٹ جاتی ہے۔

حسن بن ابی مالک کے بارے میں فرمایا:

وہ ایک ایسے اونٹ کی طرح ہے جس نے بارش کے دنوں میں اپنے اوپر بہت زیادہ بوجھ لادر کھا ہو، جب چلنے لگے تو اس کا بازو ایک بار ادھر سے ادھر جائے اور پھر درست ہو جائے۔

ابراہیم بن جراح کے بارے میں فرمایا:

ایسے شخص کی طرح ہے جس کے پاس سرمہ دار درہم ہو وہ جب بھی اسے چھوئے تو کچھ نہ کچھ کمی واقع ہو جائے۔(۷۷)

ابو یوسف کی حکمت آمیز باتیں

قرطبی نے کہا امام شعبی نے اپنی الکفایۃ میں بیان کیا کہ امام ابو یوسف کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اپنے رب سے اس طرح التجا کی:

پروردگار! تجھے خوب معلوم ہے کہ جب بھی میرے پاس کوئی مسئلہ آیا تو پہلے مَیں نے تیری کتاب کی طرف توجہ کی، اگر مسئلہ کتاب میں مجھے نہیں مل سکا تو تیرے نبی کی سنت کو دیکھا، اس میں بھی نہیں پا سکا تو صحابہ کے اقوال کا سہارا لیا، اگر یہاں بھی نہیں مل سکا تو ابو حنیفہ کو اپنے اور تیرے درمیان ایک پل بنا لیا۔

پروردگار! تجھے پتہ ہے کہ جب بھی کوئی کمزور اور طاقتور میرے پاس فیصلہ کرانے آئے تو مَیں نے دونوں میں برابری کا برتاؤ کیا اور میرا دل طاقتور کی طرف مائل نہیں ہوا، پروردگار اگر تجھے یہ سب کچھ پتہ ہے تو میری مغفرت فرما۔(۸۷)

سبط ابن جوزی نے مرأۃ الزمان میں ابو یوسف سے نقل کیا کہ:

کاش مَیں قضا کا منصب نہیں سنبھالتا تاہم مَیں نے کبھی ظلم وجور کا قصد نہیں کیا اور نہ ہی فریقین میں سے ایک کو دوسرے پر قوت وضعف کی بنیاد پر ترجیح دی۔ پروردگار! تجھے خوب علم ہے کہ مَیں نے تیرے بندوں کے درمیان بالقصد کوئی بھی غلط فیصلہ نہیں کیا، مَیں نے احکام میں کتاب

(۸۷) مرجع سابق ص ۲۲۶ (۸۸) مرجع سابق ص ۲۲۳، اخبار ابی حنیفۃ ج ۱ ص ۱۰۶

(قرآن کریم) اور تیرے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق اجتہاد کیا اور جہاں
کچھ اشکال ہوا اپنے اور تیرے درمیان ابو حنیفہ کو کھڑا کر دیا، ابو حنیفہ کو
تیرے حکم کا زیادہ علم تھا اور وہ تیرے حکم کے باہر نہیں نکلتے تھے۔(۷۹)

ابن ابی عوام نے طحاوی کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں میں یونس بن عبدالاعلیٰ کے پاس گیا اور ان کے پاس احمد بن عمران تھے، یونس نے شافعی کے حوالے سے بیان کیا کہ ان کا فرمان تھا کہ کئی مسئلوں کے بارے میں مجھ سے سوال کیا گیا، مجھے اپنے دل میں اس کی علت کا خوب علم تھا مگر زبان سے ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا تھا، احمد بن ابی عمران نے ان سے کہا اور کچھ؟ یونس نے جواب دیا نہیں۔

احمد نے کہا میرے پاس ابو یوسف کے حوالے سے اس سے اچھی ایک بات یہ ہے کہ محمد بن شجاع نے حسن بن ابی مالک سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

مجھ سے کئی بار سوال کیا جاتا ہے، مجھے اس مسئلے کی علت کا پتہ ہوتا ہے مگر زبان سے اس کی ادائیگی پر قادر نہیں ہوتا ہوں، اس میں میری مثال اس شخص کی طرح ہوتی ہے جسے کوئی درہم دکھائے تو کہے یہ خراب ہے یا اچھا ہے اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے تو اس کے پاس وہی اچھا یا خراب کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی ہی نہیں یعنی اس کی علت اور اس کی خرابی کے اسباب کا علم نہیں ہوتا۔

موفق مکی کی کتاب میں ابو سلیمان کے حوالے سے ہے کہ ابو یوسف نے فرمایا:

بعض اوقات دو مسئلوں کے درمیان میں نے بال کے برابر فرق ظاہر کیا، بعض مسئلوں میں پہاڑ کے مثل اور بعض مسئلوں میں دل میں تفریق کی زبان اسے ادا نہیں کر سکتی۔(۸۰)

علی بن حجر کہتے ہیں میں نے ابو یوسف سے سنا وہ فرماتے تھے:

(۷۹) اخبار ابی حنیفۃ ج ۱ ص ۲۹، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۹

علم فرائض میں علی اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال سے استدلال کرتا ہوں اور جب ان میں اختلاف ہوتا ہے تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو اپناتا ہوں کیوں کہ ان کا یہ اختلاف قضا کے اہم مسئلے میں ہوتا ہے، ایسی صورت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع کو اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اقضاکم علی علی تم میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (۸۱)

ابو یوسف نے یہ بھی فرمایا:

اے قوم (علما) اپنے علم سے خدا کو چاہو یعنی اخلاص پیدا کرو، بہت کم ایسی مجلس ہے جہاں میں تواضع کی نیت سے آتا ہوں مگر جانے سے پہلے ہی اس میں تکبر کی باتیں ہو جاتی ہیں، اور جب کسی مجلس میں تکبر کی نیت سے گیا تو کھڑا ہونے سے پہلے ہی رسوا ہو گیا۔ یاد رکھو خدا کو چاہو اور اخلاص پیدا کرو۔

علی بن حجر نے ہی حارثی کی سند سے ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا، (الفاظ قاضی وکیع کے ہیں) وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے علی بن اشکاب نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو فرماتے ہوئے سنا:

اے قوم اپنے علم سے صرف خدا کی رضا چاہو، میں جب بھی کسی مجلس میں تواضع کی نیت سے گیا ہوں وہاں کھڑے ہونے سے پہلے ہی تکبر کی باتیں ہو جاتی ہیں اور اگر تکبر کی نیت کی ہے تو کھڑے ہونے سے پہلے ہی رسوائی ہو جاتی ہے۔ (۸۲)

احمد بن حنبل نے ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ایسے شخص کی صحبت جسے شرم نہ ہو اسے قیامت کے روز شرمسار کر دے گی۔

اور فرمایا: تین چیزیں نعمتوں کی اصل ہیں:

---

(۹۰) مرجع سابق

(۱) اسلام کی نعمت کہ اس کے بغیر کوئی نعمت بھی پوری نہیں ہوتی۔

(۲) صحت کی نعمت کہ عافیت اس کے بغیر میسر نہیں ہوتی۔

(۳) مال داری کی نعمت کہ جس کے بغیر زندگی تمام نہیں ہوتی۔ (۸۳)

علی بن جعد نے ابو یوسف سے روایت کیا کہ:

علم ایک ایسی چیز ہے کہ وہ تمہیں اپنا بعض حصہ بھی نہیں دے گی حتی کہ تم اسے اپنا پورا حصہ دے دو، اور اگر تم نے اسے اپنا پورا حصہ دیا تو اس کے بعض حصے کے لینے میں احتیاط سے کام لو۔ (۸۴)

ابو یوسف کے سامنے جب کوئی اہم مسئلہ آتا تو کہتے:

امور لو تدبرها حكيم — اذن لنهي وغير ما استطاعا

ولكن الأديم اذا تفرى — بلى وتهتكا غلب الصناعا

ترجمہ: کچھ ایسے معاملات ہیں کہ اگر دانا شخص اس میں غور وفکر کرے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس میں تبدیلی کرسکتا ہے لیکن جب فرش زمین پھٹ پڑے تو بڑے سے بڑا حکیم بھی پریشان ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے کاریگر بھی حیران ہو جاتے ہیں۔

ابو یوسف کی حاضر جوابی اور احکام کی کچھ مثالیں

خطیب نے نقل کیا کہ ابو یوسف سوار تھے اور ان کا غلام پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا، ایک شخص نے کہا کیا آپ اس کو حلال سمجھتے ہیں کہ آپ کا غلام دوڑتا جائے، اسے سوار کیوں نہیں کر لیتے؟ ابو یوسف نے ان سے کہا ''کیا آپ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ میں اپنے غلام کو اپنی سواری کھینچنے والا مقرر کروں؟'' اس نے کہا ہاں، ابو یوسف نے کہا ''پھر اس طرح بھی دوڑنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اسے سواری کھینچنے کی صورت میں دوڑتے رہنا ہوگا۔'' (۸۵)

ابن ابی عوام نے طحاوی کے حوالے سے نقل کیا، انہوں نے جعفر بن احمد بن ولید سے روایت کیا، انہوں نے بشر بن ولید کندی سے وہ کہتے ہیں کہ کسی نے ابو یوسف سے پوچھا کہ میرا باپ نصرانی ہے اور نابینا ہے، کبھی کبھی میں اسے کنیسہ کی طرف جاتے ہوئے ملتا ہوں اور کبھی واپسی پر ملاقات ہوتی ہے، کیا میں اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دے سکتا ہوں؟ بشر کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو یہ جواب دیتے ہوئے سنا کہ جب کنیسہ کی طرف جا رہا ہو تو اس وقت اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتے ہاں جب واپس آ رہا ہو تو اسے سہارا دے سکتے ہو۔

حسن بن ابو مالک نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اس قدر بیمار ہوا کہ سب کچھ جو مجھے یاد تھا بھول گیا حتی کہ قرآن کریم بھی، مگر فقہ نہیں بھلا سکا۔ پوچھا گیا وہ کیسے؟ جواب دیا فقہ کے علاوہ میرا جو کچھ بھی علم ہے وہ یادداشت کے ذریعہ ہے اور فقہ علم ہدایت ہے، میرا اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے شہر سے مدتوں غائب رہنے کے بعد واپس آیا ہو، تمہارا کیا خیال ہے وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جائے گا؟

بشر بن ولید نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ ''عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے سر کو

اپنے غلام کے سامنے کھولے، نہ ہی اپنے بیٹے کے غلام کے پاس، نہ ہی اپنے باپ کے غلام کے پاس، اور اگر کوئی شخص اپنے ماں کا سر دھوئے اور اس کے جوں کو صاف کرے تو اس کے حق میں نیکی ہوگی۔

ہلال الرائے نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ "بادشاہوں کے ساتھ بدسلوکی ذلت ہے اور قاضیوں کی بے ادبی فقر ہے"۔

یہ بھی کہتے سنا کہ چک کی لکھائی میں کم از کم دس گواہ درکار ہیں، دو مر جائیں گے، دو غائب ہو جائیں گے، دو جھوٹ بول دیں گے، دو ثابت رہیں گے اور دو گواہی ادا ہی نہیں کریں گے۔

موفق نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ابو یوسف نے وزیر علی بن عیسیٰ کی گواہی صرف اس بنیاد پر رد کر دی کہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتا یہاں تک کہ علی بن عیسیٰ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی اور پھر جماعت میں حاضر ہوتا تھا۔(۸۶)

حسن بن ابو مالک سے مروی ہے کہ ابو یوسف کے پاس اصفہان سے ایک مرتدہ عورت لائی گئی تو اس کے قتل کا حکم صادر کرتے ہوئے ڈر گئے، پھر انہوں نے امام ابو حنیفہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا کہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو قید کر لیا جائے گا۔

بشر سے مروی ہے کہ میں ایک دن ابو یوسف کے پاس تھا کہ انہوں نے کسی مسئلے سے متعلق بات کی، میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم نہیں دیا ہے، ابو یوسف نے کہا کیا اللہ عزوجل کا ہر چیز میں منصوص حکم ہے؟ بشر نے کہا ہاں، ابو یوسف نے کہا اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے جس نے کسی مرغی کے چوزہ کو پاؤں سے کچل ڈالا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی؟ بشر نے کہا صحیح اور آنکھ سے معذور دونوں چوزوں کی قیمت لگائی جائے گی، آنکھ پھوڑنے والے پر دونوں میں جس کی قیمت زیادہ ہوگی وہ واجب ہوگی، یہی اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں حکم ہے۔ بشر نے کہا، پھر ابو یوسف نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں جمع کیں اور یہ شعر پڑھا:

أعلمه الرماية كل يوم ولما اشتد ساعده رماني

(ترجمہ: میں اسے ہر روز تیر اندازی سکھاتا ہوں اور جب اس کے بازو مضبوط ہو گئے تو مجھے ہی تیر مار دیا)

یہ شعر پڑھتے ہوئے انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

بشر ابن ولید سے مروی ہے، ابو یوسف نے کہا جو شخص شراب پینے کے لیے یہ سوچ کر بیٹھے کہ اس سے نشہ حاصل کرے گا تو پہلا پیالہ ہی حرام ہے، اس کے لیے بیٹھنا حرام ہوگا اور اس کی طرف چل کر جانا حرام ہوگا، جیسا کہ زنا اس پر حرام ہے اور اس کی طرف چل کر جانا بھی حرام۔

معلیٰ بن منصور سے مروی ہے کہ ابو یوسف نے ہارون رشید کے ساتھ حج کیا، ہارون نے حجاج کی امامت کی اور دو رکعت پر سلام پھر دیا، ابو یوسف کھڑے ہوئے اور کہا مکہ والو تم اپنی نماز پوری کرلو کیوں کہ ہم لوگ مسافر ہیں۔ ایک مکی شخص جو نماز پڑھ رہا تھا اس نے کہا ہم لوگ تم سے زیادہ فقہ کا علم رکھتے ہیں، تمہیں بتانے کی کچھ ضرورت نہیں، ابو یوسف نے کہا، اگر تم فقیہ ہوتے تو نماز میں بات نہیں کرتے، ہارون رشید نے کہا مجھے تمہارے جواب سے جتنی خوشی ہوئی اتنی سرخ اونٹ ملنے پر بھی نہیں ہوتی۔

ابو بکر خصاف نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب ابو یوسف کی وفات کا وقت قریب آیا تو ہم سرہانے بیٹھ گئے اور کہا آپ کے دل میں اس مسئلے یعنی قضا سے متعلق کوئی بات ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم کچھ بھی نہیں، مگر صرف ایک مسئلے سے متعلق میرے دل میں کچھ ہے، مسئلہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ کسی نصرانی نے رشید کے خلاف جائداد کا مقدمہ دائر کیا، میں نے اس نصرانی کے ساتھ ساتھ رشید کو بھی بلایا، رشید کے بیٹھنے کے لیے اس کی خاص چادر بچھائی گئی جس پر وہ بیٹھا مگر میں نے نصرانی کے بیٹھنے کا اس طرح کوئی اہتمام نہیں کیا تھا، بس یہی بات میرے دل میں کھٹکتی ہے۔

حسن بن ابو مالک سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ابو یوسف کی جس مرض میں وفات ہوئی اس میں ان کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ خدا کی قسم میں نے کبھی زنا نہیں کیا، خدا کی قسم میں نے کسی حکم الہی سے کبھی بھی تجاوز نہیں کیا، میں اپنے دل کی کسی بات سے نہیں ڈرتا مگر صرف ایک چیز سے، میں (راوی) نے کہا وہ کیا ہے؟ ابو یوسف نے کہا ہارون رشید کا یہ حکم تھا کہ میں لوگوں کا کیس لے کر پڑھ لوں پھر اس کی موجودگی میں دستخط کر دوں، میں وقت سے ایک دن پہلے کیس لے لیتا تھا اور اس کو دیکھ لیتا تھا، ایک روز جب میں نے سارے کیس جمع کیے تو اس میں ایک کیس کسی نصرانی

(۹۱) المناقب ج ۲ / ص ۲۲۶

کا تھا، اس میں اس نے امیر المومنین ہارون کو فریق بنا کر یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اس کی جائداد پر زبردستی قبضہ کرلیا ہے، مَیں نے اس نصرانی کو بلایا اور پوچھا یہ جائداد ابھی کس کے قبضے میں ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین کے، مَیں نے چاہا کہ معاملہ اور قریب سے واضح ہو جائے اس لیے مَیں نے اس سے پوچھا اس کا پھل کون بیچتا ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین، مَیں نے پوچھا اس کی پیداوار کون جمع کرتا ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین، مَیں نے ہر چند یہ چاہا کہ وہ اپنا فریق امیر المومنین کے علاوہ کسی اور کو بنائے مگر وہ امیر المومنین ہی کو اپنا فریق بناتا رہا۔ مَیں نے اس کا کیس لوگوں کے کیس کے ساتھ شامل کرلیا، جب عدالت کی کارروائی کا دن آیا اور کچہری لگی تو ایک ایک کر کے لوگوں کو بلاتا گیا حتیٰ کہ نصرانی کا کیس میرے ہاتھ میں آیا، مَیں نے اسے بلایا، وہ اندر آیا، مَیں نے اس کا کیس امیر المومنین کے سامنے پڑھا، انہوں نے کہا یہ جائداد ہماری ہے، یہ منصور کی وراثت سے ہمارے حصہ میں آئی ہے، مَیں نے نصرانی سے کہا تم نے امیر المومنین کا بیان سن لیا، کیا تمہارے پاس اپنے دعوے کی کچھ دلیل ہے؟ اس نے کہا نہیں مگر مَیں قسم کھا سکتا ہوں اگر آپ مجھ سے قسم طلب کریں۔ کہتے ہیں مَیں نے ہارون سے کہا امیر المومنین آپ قسم کھا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں اور پھر قسم کھالی، اور نصرانی واپس ہو گیا۔ ابو یوسف کہنے لگے صرف اسی مسئلے کا مجھے کچھ خوف ہے، حسن نے کہا اس میں خوف کی کون سی بات ہے آپ نے تو وہی کیا جو حق تھا؟ ابو یوسف نے کہا: مَیں نے امیر المومنین کو اس شخص کے ساتھ مجلس میں نہیں بٹھایا تھا۔

ان سب واقعات کی سندیں ابن ابی عوام کی کتاب میں موجود ہیں۔

قاضی وکیع نے اخبار القضاۃ میں کہا کہ مجھ سے بیان کیا ابراہیم بن ابو عثمان نے، انہوں نے روایت کیا یحییٰ بن عبد الصمد سے کہ امیر المومنین موسیٰ کو ایک مقدمے میں ابو یوسف کے پاس فریق بنایا گیا، مقدمہ ان کے باغ سے متعلق تھا فیصلہ بظاہر امیر المومنین کے حق میں تھا اور مسئلہ اس فیصلے کے خلاف لگ رہا تھا، امیر المومنین نے پوچھا کیا آپ نے ہمارے مقدمے کا جس میں ہم لوگ فریق بن کر آپ کے پاس آئے ہیں؟ ابو یوسف نے کہا امیر المومنین کے فریق نے مجھ سے یہ پوچھا ہے کہ کیا مَیں امیر المومنین سے اس بات پر حلف لے سکتا ہوں کہ ان کے گواہوں نے سچی گواہی دی

(۹۲) سنن ترمذی ج ۳ ص ۲۳۷، حدیث نمبر ۱۸۸۹، صحیح ابن خزیمہ ج ۴ ص ۲۳۷، حدیث ۲۸۲۲

ہے، موسیٰ نے پوچھا کیا آپ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں؟ ابو یوسف نے کہا ابن ابی لیلیٰ کا یہی خیال تھا، راوی کہتے ہیں کہ پھر ابو یوسف نے کہا کہ باغ انہیں واپس کر دیں اور ابو یوسف نے یہ حیلہ کیا تھا۔ (۸۷)

خطیب نے قاضی وکیع کے طریق سے یہ بھی نقل کیا ہے اور یہ رشید کے علاوہ واقعہ ہے، صیمری نے بڑی تفصیل سے رشید کے واقعے کا ذکر کیا ہے اس کے آخر میں ہے کہ شیخ پیچھے مڑ کر کہنے لگے کہ ستو کی طرح اسے پیس دیا گیا ہے۔ ادھر امیر المومنین کے چہرے پر پسینہ تھا جب انہوں نے حلف لیا، اور سر جھکائے سوچ میں پڑ گئے۔ میں نے کہا میں ہلاک ہو گیا اور لوگ بھی ہلاک ہو گئے۔ یحییٰ بن خالد نے کہا یعقوب آپ نے امیر المومنین کی طرح رعایا سے عدل وانصاف کرنے والا کسی کو پایا ہے، انصاف سے کام لو، ابو یوسف نے ایسا ہی کیا جیسا کہ یحییٰ نے کہا پھر امیر المومنین سے رازدارانہ سرگوشی کی تو اس سے خوش ہو گئے اور کہا سبحان اللہ انصاف ضروری ہے۔ یحییٰ بن خالد نے کہا اگر ایسا فاروق (عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہوتا تو اچھا ہوتا، یا اسی طرح کا کچھ جملہ کہا، اس کے بعد ابو یوسف کا فریقین کے درمیان عدل وانصاف کا اور مجلس میں اس کی برابری کے اہتمام کا ذکر کیا۔ (۸۸)

ابو یوسف کے اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن میں یہ ہے کہ وہ مقدمے کے فیصلوں میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، بلکہ اس ضمن میں راعی اور رعایا، امیر اور فقیر، بادشاہ اور مزدور سب یکساں تھے، یہی وہ اسباب تھے جنہوں نے ان کی عظمت کو چار چاند لگا دیے اور اسلام میں عدالتی نظام کو اہم مقام عطا کیا۔ علامہ ذہبی نے اپنے جز میں لکھا ہے کہ قاضی قضاۃ (چیف جسٹس) ابو یوسف رحمہ اللہ ورضی اللہ عنہ کے بے شمار واقعات ہیں جن کا تعلق ریاست، سخا، شرافت، مروت، احترام اور علم وفضل میں سربراہی سے ہے، بعض لوگوں نے کچھ ایسے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ان کی عظمت پر حرف آتا ہے مگر ان واقعات کا صحت سے کچھ تعلق نہیں جن کا ذکر عقیلی اور ابن ثابت نے کیا ہے۔

میں نے ان دونوں کے بارے میں اس کے محل پر پوری گفتگو کی ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابو یوسف کی ابو حنیفہ کی مجلس علم سے غیر حاضری

زین بن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے باب حکایات میں ذکر کیا کہ جب ابو یوسف درس و تدریس کے لیے ابو حنیفہ کو بتائے بغیر مسند پر بیٹھ گئے تو ابو حنیفہ نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ ابو یوسف سے پانچ مسائل کے بارے میں سوال کرے۔ ایسا ہی صیمری اور خطیب وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔(۸۹)

پہلا مسئلہ: دھوبی نے اس بات کا انکار کر دیا کہ اس نے کپڑے دھونے کے لیے لیے تھے اور پھر دھو کر لے آیا، ایسی صورت میں وہ اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ ابو یوسف نے جواب دیا ہاں وہ اجرت کا مستحق ہے، سائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا اسے اجرت نہیں ملے گی، سائل نے کہا یہ بھی غلط، پھر سائل نے کہا اگر انکار سے پہلے اس نے کپڑا دھو دیا تھا تو اجرت کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ: نماز میں سنت کے ذریعہ داخل ہوتے ہیں یا فرض کے ذریعے سے؟

ابو یوسف نے جواب دیا: فرض کے ذریعے سے، سائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا سنت کے ذریعے سے، سائل نے کہا غلط، ابو یوسف حیران ہوئے تو سائل نے کہا فرض اور سنت دونوں ہی کے ذریعے سے نماز میں داخل ہوا جاتا ہے، کیوں کہ تکبیر فرض ہے اور ہاتھ اٹھانا سنت۔

تیسرا مسئلہ: ایک پرندہ چولھے پر رکھی ہوئی ہانڈی میں گر گیا، ہانڈی میں شوربہ دار گوشت تھا، ایسے گوشت کو کھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ابو یوسف نے کہا کھایا جائے گا، سائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا نہیں کھایا جائے گا، سائل نے کہا غلط، پھر سائل نے کہا اگر گوشت پرندے کے گرنے سے پہلے بھونا جا چکا تھا تو تین بار اسے دھو کر کھایا جائے گا اور شوربہ پھینک دیا جائے گا، دونوں نہیں پھینکے جا سکتے۔

چوتھا مسئلہ: ایک مسلمان کی بیوی ذمی تھی (یعنی غیر مسلم کتابی) وہ اس سے حاملہ تھی کہ اس کا انتقال ہوگیا، اسے کس قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟ ابو یوسف نے کہا مسلمانوں کے قبرستان میں، سائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا ذمیوں کے قبرستان میں، سائل نے کہا غلط ہے، اسے یہودیوں کے قبرستان میں مگر اس کا چہرہ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا جائے گا تا کہ پیٹ کے اندر بچے کا چہرہ قبلے کی طرف ہو جائے کیوں کہ ماں کے پیٹ میں بچے کا چہرہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے۔

پانچواں مسئلہ: کسی شخص کی باندی ام ولد تھی، اس نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لی پھر اس کے آقا کا انتقال ہو گیا، کیا اس پر اپنے آقا کی عدت وفات واجب ہوگی؟ ابو یوسف نے کہا واجب ہوگی، سائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا عدت واجب نہیں ہوگی، سائل نے کہا غلط، اگر شوہر نے دخول کیا ہے تو عدت واجب نہیں ہوگی اور اگر دخول کا تحقق نہیں ہوا تو عدت واجب ہوگی۔

ابو یوسف کو اپنی کم علمی کا احساس ہوا اور دوبارہ ابوحنیفہ کی مجلس علم میں واپس آگئے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا پکنے سے پہلے ہی پھل توڑنے گئے تھے۔ ایسا ہی اجارات الفیض میں ہے۔

مناقب گردی میں ابو یوسف کی علیحدگی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ جب بیمار ہوئے تو امام ابو حنیفہ ان کی عیادت کے لیے گئے اور فرمایا میں اپنے بعد تمہیں مسلمانوں کا امام بنانا چاہتا ہوں، جب شفایاب ہوئے تو انہیں اپنے اوپر کچھ گمان ہوا اور پھر امالی کی مجلس منعقد کر لی، امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف کو دوبارہ اپنی مجلس میں آتے ہوئے دیکھ کر کہا تمہیں بس ایک دھوبی کا مسئلہ لے آیا، سبحان اللہ! تعجب ہے ایسے شخص پر اللہ کے دین میں کلام کرتا ہے مجلس سجاتا ہے اور اسے اجارے کا مسئلہ بھی صحیح طرح نہیں معلوم، پھر فرمایا جو شخص یہ سمجھ لے کہ اب اسے علم کی ضرورت نہیں اسے اپنے اوپر رونا چاہیے۔ (۹۰)

یہ واقعہ ابو یوسف کے ابتدائی زمانے کا ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ آخری وقت میں

---

(۹۳) صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۲۲۹، حدیث نمبر ۳۲۲۲۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۳۹، حدیث ۱۰۶۲

(۹۴) صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۳۲۱، حدیث نمبر ۳۴۱۴۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۴۰، حدیث نمبر ۱۰۶۳

(۹۵) صحیح بخاری حدیث نمبر ۲۲۳۱۔ صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۲۹، حدیث نمبر ۲۳۵۷

اجتہاد مطلق کے درجے پر فائز نہیں تھے اور نہ ہی یہ مطلب نکالا جاسکتا ہے کہ وہ مجتہد فی المذہب تھے کیوں کہ فقہ کے مختلف درجات اور مراحل طے کرنے کے بعد ہی اجتہاد مطلق کے درجے پر پہنچے، لہٰذا ان واقعات کی کوئی حیثیت نہیں جو عنفوان شباب یا اوائل عمر میں واقع ہوئے، تاہم ایک وقت ایسا آیا جب وہ علم میں پختہ ہو گئے اور اپنے استاذ کے سچے جانشین بھی بن گئے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کہ نوجوان لوگ تفقہ کے ابتدائی مرحلے میں اپنے اوپر نازاں ہو جائیں اور پھر بعد میں صحیح سمت میں چل پڑیں، ایسا خود امام اعظم کے ساتھ بھی ہوا تھا کہ ایک وقت اپنے استاذ حماد کی مجلس سے الگ ہو گئے پھر کچھ دنوں بعد استاذ کی مجلس میں لوٹ آئے اور وفات تک پھر کبھی ساتھ نہیں چھوڑا، یہ ایک طویل داستان ہے۔ امام اعظم کا اپنے استاذ حماد کے ساتھ پابندی کے ساتھ رہنے کا واقعہ میں نے ابن قتیبہ کی کتاب لفت اللحظ الی ما فی الاختلاف فی اللفظ میں ابو شیخ کی تاریخ اصفہان کے حوالے سے بیان کیا ہے جس میں بڑی عبرت انگیز باتیں ہیں۔

---

(۹۶) یہ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے، صحیح بخاری میں حضرت ام المومنین عائشہ سے اس طرح مروی ہے: بسم الله تربة أرضنا، بريقة بعضنا، يشفى سقيمنا، باذن ربنا (صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۴۱۳، صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۱۹۴)

(ترجمہ: ہمارے لعاب کے ساتھ ہمارے زمین کی مٹی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماروں کے لیے شفا ہے)

مذہب یوسفی کی تدوین حنفی مذہب کے ساتھ کیوں؟

زفر بن ہذیل، ابو یوسف اور محمد بن حسن نے اصول اور فروع دونوں ہی مسائل میں ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ مذہب حنفی کے اصول اور فروع پر لکھی ہوئی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، اس کے باوجود ان کے افکار وخیالات مذہب حنفی کی کتابوں میں ابو حنیفہ کے خیالات کے ساتھ مرقوم ہیں اور ان اختلافات کے باوجود ان سب کے مجموعے کو حنفی مذہب شمار کیا جاتا ہے بلکہ احناف سے یہ بھی منصوص ہے کہ مذہب حنفی میں فتوی ایک بار ابو حنیفہ کے قول پر ہوتا ہے تو دوسری بار ان میں سے کسی ایک کے قول پر۔ یہ اتنا بڑا اشکال تھا کہ شعبان گیارہ سو پانچ ہجری (۱۱۰۵ھ) میں شریف مکہ سعد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کیا گیا کہ آپ کا کیا خیال ہے امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین ابو یوسف اور محمد کے مذہب کے بارے میں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک شریعت کے چار اصول کتاب، سنت، اجماع، اور قیاس میں مجتہد ہے اور ایک ہی مسئلے میں ان میں سے ہر ایک کا مستقل نظریہ ہے جو دوسرے کے خلاف ہے، آپ ان تین مذاہب کو ایک ہی مذہب کیسے قرار دیتے ہیں؟ ہر ایک کو ابو حنیفہ کا ہی مذہب کہتے ہیں؟ اور جو شخص ابو یوسف یا محمد کا مقلد ہوتا ہے اس کو بھی آپ حنفی ہی کہتے ہیں، حنفی تو وہی شخص ہے جو صرف ابو حنیفہ کے افکار وخیالات کا پابند اور مقلد ہو؟

اس سوال کا جواب اس وقت شیخ عبد الغنی نابلسی نے اپنے مستقل رسالے الجواب الشریف للحضرۃ الشریفۃ فی أن مذھب ابی یوسف ومحمد ھو مذھب ابی حنیفۃ میں دیا۔ ان کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں کی رائے ابو حنیفہ کی ہی روایات کے

(۹۷) المناقب ج ۲ ص ۲۲۲، ۲۲۳ (۹۸) الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقھاء، ص ۳۲۹

حوالے سے ہیں، لہٰذا ان دونوں کے اقوال ابو حنیفہ کے ہی اقوال سے ہوں گے، اس لیے ان کو ابو حنیفہ کے مذہب میں شمار کرنا بھی صحیح ہے۔

اپنے اس جواب پر شیخ نے دونوں اماموں سے مروی اقوال کو دلیل بنایا ہے اگرچہ ابن عابدین نے اسے پسندیدہ قرار دیا ہے مگر یہ عمدہ نہیں، اس لیے کہ اس کا اعتماد اس پر ہوگا جو وزیر ابن کمال نے طبقات فقہا میں کہا ہے کہ ''یہ دونوں اصول میں امام کی مخالفت نہیں کرتے ہیں'' حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے بلکہ یہ دونوں بہت سارے اصولی اور فروعی مسائل میں اختلاف کرتے ہیں جیسا کہ مجتہد مطلق کی شان ہوتی ہے، ان دونوں کو مجتہد فی المذہب کے مرتبے میں شمار کرنا حقیقت کے خلاف ہے، یہ اور بات ہے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو ابو حنیفہ کی ہی طرف منسوب کیا ہے، یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان سب کے مجموعی نظریات پر حنفی مذہب کا اطلاق کرنا ایک اصطلاح بن گئی ہے جس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ ابو حنیفہ کا مذہب ایک پوری جماعت در جماعت کا فقہ ہے۔

ان میں ہر قول کا مصدر اجتہاد مطلق پر مبنی ہے، ہر ایک کی اپنی دلیل ہے، لہٰذا دونوں اماموں نے جہاں کہیں حکم کی دلیل کو جان لیا جس طرح کہ ابو حنیفہ جان لیا کرتے تھے تو ان کی موافقت کر لی، یہ موافقت اجتہادی تھی تقلیدی نہیں اور جب دلیل حکم کے مخالف ہوئی تو مخالفت بھی کی لہٰذا دونوں کا امام کے ساتھ کسی پر متفق ہو جانا تقلید کی دلیل نہیں بلکہ ان میں بعض کا دوسرے کی طرح

(۹۹) مرجع سابق ص ۲۳۲

(۱۰۰) مؤلف نے اپنی کتاب تانیب الخطیب میں مختلف مقامات پر بالخصوص مقدمے میں ائمہ مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تعصب اور نزاع کے اسباب پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ کتاب کے مقدمے میں پہلے تو انہوں نے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال ایک دوسرے کے بارے میں اور ان اقوال کی روشنی میں ان کے درمیان گہرے تعلقات اور ایک دوسرے کے لیے اچھے جذبات کا ذکر ہر ایک کی کتابوں کے حوالے سے کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''باہمی دوستی اور احترام کا جذبہ سالہا سال چلتا رہا، حکومتی اعتبار سے قضا جیسے اہم منصب پر احناف کی حکمرانی تھی، دوسرے مذاہب کے ایسے علما جن کا دین سے کوئی گہرا تعلق نہیں، کو یہ بات کچھ اچھی نہیں لگی، انہوں نے دنیا حاصل کرنے کی غرض سے اس کو ایک بڑا مسئلہ بنا لیا، امام اعظم ابو حنیفہ کے پیروکار علما اور حنفی مذہب کے خلاف جھوٹی اور من گھڑت روایتوں کی اشاعت کرنے لگے اور ان روایتوں کو اپنی تالیفات میں جگہ بھی دی، پھر تعصب و عناد کا ایک سلسلہ چل پڑا جس کا اثر آج بھی پوری دنیا میں محسوس کیا جا رہا ہے (تانیب الخطیب ص ۱۹، ۲۰)

حکم کی دلیل پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ مانا جائے تو دنیا میں کسی مجتہد مطلق کا وجود ہی نہیں ہوگا کیوں کہ عام طور پر مجتہدین مسائل میں ایک دوسرے سے متفق ہوتے ہیں، جہاں تک اس دعوے کی بات ہے کہ ان دونوں کے تمام اقوال ابوحنیفہ کے ہی اقوال ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مسئلے میں مختلف احکام کا احتمال ہوا کرتا تو ابوحنیفہ اس سے اپنے اصحاب کو احتجاج کا طریقہ اور اس کے راجح ہونے کے دلائل کی مشق کرایا کرتے تھے، کسی مسئلے کو راجح قرار دینے کے بعد پھر اس کا رد کرتے اور پہلے کے دلائل کو رد کر دیتے اور دوسرا احتمال دلائل کی روشنی میں راجح کر دیتے، پھر تیسرا احتمال پیدا کر دیتے اور دوسرے کو دلائل سے رد کر دیتے، اس طرح مرحلہ وار اپنے اصحاب کی مشق کراتے یہاں تک کہ ایک خاص حکم پر جا کر رائے مستقر ہو جاتی اور غور وفکر کے بعد مسائل کے رجسٹر میں اسے درج کر لیا جاتا۔ کئی مسائل ایسے ہوتے جو ابو یوسف کے نزدیک ہی راجح ہوتے، اس پر سب لوگوں کا اتفاق نہیں ہوتا اور اس میں صرف ان کے اجتہاد کو دخل ہوتا، تو یہ راجح رائے ایک اعتبار سے ان کا اپنا قول ہوتا اور ایک اعتبار سے ابوحنیفہ کا، کیوں کہ ابوحنیفہ ہی اس احتمال کے موجد ہوتے اور پھر دلائل قائم کرنے والے بھی پہلے وہی ہوتے، اگر چہ بعد میں اس نظریے کے خلاف ہو جاتے، اس کی مثال وہ روایت ہے جسے ابن ابی عوام نے محمد بن احمد بن حماد سے روایت کیا، انہوں نے محمد بن شجاع سے انہوں نے حسن بن ابی مالک، عباس بن ولید، بشر بن ولید اور ابو علی رازی کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ:

> میں نے کوئی ایسا قول نہیں کیا جس میں میں نے ابوحنیفہ کی مخالفت کی مگر یہ کہ وہ ایسا قول ہوتا جو خود ابوحنیفہ پہلے کہہ چکے ہوتے پھر بعد میں اس سے رجوع کر لیتے۔

کردری نے نیساپوری سے حکایت کی کہ ابو یوسف جب منصب قضا پر فائز کیے گئے تو ان کے پاس اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ آئے، اسی وقت ان کے پاس دو فریق اپنا مقدمہ لے کر بھی آ گئے، جب فیصلے کی گھڑی آئی تو امام کے قول پر فیصلہ دیا۔ اسماعیل نے کہا آپ تو اس مسئلے میں امام کے مخالف نظریہ رکھتے تھے؟ ابو یوسف نے جواب دیا ہم لوگ اس لیے مخالفت کرتے تھے کہ ان کے پاس جو کچھ علم ہے وہ نکال لیں اور جب فیصلے کا وقت آتا ہے تو ہماری رائے شیخ کی

رائے سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔(۹۱)اسی طرح کی حکایت محمد بن حسن سے بھی مروی ہے۔

ابن عوام نے ابراہیم بن احمد بن سہل سے روایت کی، انہوں نے قاسم بن غسان سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ابوسلیمان جوزجانی سے، انہوں نے محمد بن حسن سے، وہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ بغداد آئے تو ان کے تمام اصحاب جمع ہو گئے جن میں ابویوسف، زفر، اسد بن عمرو اور ان کے دیگر متقدمین فقہا اصحاب تھے، ان سب کے سامنے ایک مسئلہ آیا ہوا تھا جس کو وہ دلائل سے مزین کر چکے تھے اور اپنے دلائل سے مطمئن بھی تھے، پھر سب کی یہ رائے ہوئی کہ جب ابوحنیفہ پہلے پہل آئیں گے تو ہم لوگ ان سے پوچھیں گے، جب ابوحنیفہ آئے تو سب سے پہلے ان لوگوں نے وہی مسئلہ پوچھا تو امام ابوحنیفہ نے ایسا جواب دیا جو ان لوگوں کے جواب سے مختلف تھا۔ وہ لوگ چیخ پڑے، ابوحنیفہ تمہیں پردیس پن نے بیوقوف بنا دیا، ابوحنیفہ نے کہا ٹھہرو اتنی جلد بازی سے کام نہ لو، تم کیا کہہ رہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا آپ جیسا حکم بیان کر رہے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں۔ امام نے کہا کچھ دلیل بھی آپ کے پاس ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی پوری دلیل ہے، امام نے کہا پھر پیش کرو، ان لوگوں نے دلیل دی امام نے ان سے مناظرہ کیا اور دلیل سے ان پر غالب آ گئے یہاں تک کہ وہ سب ابوحنیفہ کے قول کے معترف ہو گئے اور یقین کر لیا کہ وہ سب غلطی پر تھے، امام نے کہا اب سمجھ میں آ گیا؟ جواب دیا ہاں، پھر کہا کیا خیال ہے تمہارا اگر کوئی یہ کہے کہ تمہارا قول ہی صحیح تھا اور اب جو قول تم نے اپنایا وہ غلط ہے؟ لوگوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا، یہی قول صحیح ہے۔ امام نے ان سے مناظرہ کیا اور پھر اس قول کی غلطی کا انہیں اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا، وہ کہنے لگے ابوحنیفہ تم نے ہمارے ساتھ ظلم کیا، ہم ہی

---

(۱۰) بیع عینہ کا لغوی معنی: ایک شخص کسی شخص کو کوئی چیز اس کی معروف قیمت کے عوض مدت معینہ کے لیے ادھار پر فروخت کرے پھر اس شخص سے اسی چیز کو قیمت فروخت سے کم قیمت پر خریدے، یہ عینہ ہے۔ (ملخصاً البنایۃ، بحوالہ شرح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی ج ۴رص ۳۷۳)

... کا اصطلاحی معنی: ایک شخص کسی تاجر سے دس روپے قرض مانگتا ہے، وہ انکار کرتا ہے، پھر اس کو مثلاً پندرہ روپے میں (مدت معینہ کے ادھار پر) ایک ایسا کپڑا فروخت کرتا ہے جس کی معروف قیمت دس روپے ہے تاکہ قرض لینے والا وہی چیز اس کو دس روپے میں فروخت کر دے اور اس کو پانچ روپے زیادہ مل جائیں (ملخصاً البحر الرائق، بحوالہ شرح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی ج ۴رص ۳۷۴)

(۱۰...) تاریخ بغداد ج ۱۳رص ۳۵۲

حق پر تھے، امام نے کہا کیا خیال ہے تمہارا اگر یہ کہا جائے کہ پہلا اور دوسرا دونوں ہی قول غلط ہیں، یہاں ایک تیسرا احتمال ہے وہ صحیح ہے؟ لوگوں نے کہا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، امام نے کہا سنو اور تیسرا قول پیش کیا، مناظرہ کیا حتی کہ وہ سب اس کے قائل ہو گئے اور بول پڑے ابو حنیفہ ہم نے جان لیا، امام نے کہا پہلا قول ہی صحیح ہے اور اس کی یہ علت اور دلیل ہے، اس مسئلے میں یہی تین اقوال ہو سکتے ہیں، ہر ایک کی فقہ میں ایک وجہ ہے اور ہر ایک کا مذہب ہے، یہی صحیح ہے اس کو لے لو اس کے علاوہ اقوال کو رد کر دو۔

اس طرح وہ اپنے اصحاب کی فقہی مشق کرایا کرتے تھے اور مرحلہ وار انہیں فقہی معلومات سے روشناش کراتے۔ اس طرح مسائل میں بے شمار احتمالات کا ذکر ہوتا، کوئی ایک احتمال کسی کے نزدیک راجح ہوتا اور دوسرا دوسرے کے نزدیک، ان میں اکثر احتمال کے موجد خود ہوتے لہٰذا اکثر مسائل میں اختلاف امام کا ہی اپنے اصحاب کے سامنے پیش کرنے کی وجہ سے ہوتا، اس اعتبار سے ابو یوسف اور محمد کے مذہب کو حنفی مذہب ہی سے تعبیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ان مسائل میں ان کے اکثر احوال کا اعتبار کیا گیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے الحج عرفۃ (حج عرفہ میں جمع ہونے کا ہی نام ہے) (۹۴)

ابن ابی عوام نے محمد بن احمد بن حماد کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابن شجاع سے روایت کیا، انہوں نے حسن بن ابی مالک سے انہوں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو حنیفہ کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو کہتے تمہارے پاس کوئی اثر ہے؟ اگر ہم کوئی اثر روایت کرتے اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ روایت کرتے اس کے بعد غور کرتے، اگر دو قول میں سے ایک سے متعلق آثار کی تعداد زیادہ ہوتی تو اکثر اثر والے قول کو اپنا لیتے اور اگر دونوں قول سے متعلق برابر آثار ہوتے تو غور و فکر کر کے کسی ایک کو لے لیتے۔ ابو حنیفہ اپنے اصحاب سے کہا کرتے تھے کہ کسی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ میرے حوالے سے کوئی گفتگو کرے جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ میں نے کس دلیل پر اعتماد کر کے کہا ہے۔

یہی وہ طریقہ تھا جس نے دنیا کے گوشوں کو فقہ سے بھر دیا، ان کے علاوہ فقہا کے سینے مسائل

(۱۰۳) مرجع سابق نفس الصفحہ (۱۰۴) مرجع سابق ص ۲۵۱ (۱۰۵) الضعفاء ج ۴ ص ۴۴۰

کے اخذ ورد سے متعلق بالکل کشادہ نہیں تھے بلکہ اکثر کا تو یہ حال تھا کہ جو ان کے پاس رائے ہوا کرتی بغیر مباحثے کے اس کو املا کرانے پر اکتفا کرلیا کرتے، روز پیش آمدہ مسائل کے جواب پر ہی اقتصار کرلیتے۔ تاہم امام شافعی نے حجازی اور عراقی دونوں ہی چشموں سے شرح صدر کے ساتھ پوری سیرابی حاصل کی جس کے نتیجے میں دنیا پیش آمدہ فرضی مسائل سے جل تھل ہوگئی اور فقہ کو خوب نشو و نما حاصل ہوئی، اللہ تعالی ہر ایک کو اس کی خدمت کا صلہ عطا فرمائے اور ان سب سے اپنی رضا کا اظہار فرمائے، ہر ایک کا اپنا اپنا طریقہ ہے۔

(۱۰۶) المناقب ج ۲ ص ۲۳۶

☆امام ابوزہرہ کے بڑے علمی کارنامے ہیں۔ ان کی تصنیفات تحقیق کا سرچشمہ ہیں، جن میں "ابوحنیفہ" "مالک" "شافعی" اور "ابن حنبل" ضخیم جلدوں میں ہے۔ ہر ایک جلد ان ائمہ اعلام میں سے ایک کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ اپنی اس کتاب میں انہوں نے ائمہ کے حالات کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیزوں کا ذکر کردیا ہے۔ ائمہ کے حالات اور علمی کارناموں پر اتنی زبردست تحقیق ہے جس سے محققین کے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ ان کی یہ کتاب ائمہ کرام کے تراث پر تحقیق سے متعلق نئے باب کا اضافہ ہے، اس کتاب کے مؤلف بڑی تعریف کے مستحق اور بڑے احترام کے حق دار ہیں۔ اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ میرے نزدیک اس کتاب میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا کچھ نقصان ہو (مؤلف)

(۱۰۷) امام ابوزہرہ نے اپنی کتاب میں اس الزام کو دور کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ بے بنیاد حیلوں سے مسائل کا حل کرتے تھے، انہوں نے پوری تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ دشوار مسئلوں میں امام اعظم ابوحنیفہ شرعی اصول وضوابط کی روشنی میں حیلے تلاش کر کے آسانیاں پیدا کرتے تھے، کیوں کہ شریعت نام ہی آسانی کا ہے۔ امام ابوزہرہ نے اپنی بات کو باوزن کرنے کے لیے دلائل اور قرائن کی روشنی میں اس بات سے بھی انکار کیا ہے کہ امام اعظم کی کوئی تصنیف کتاب الحیل بھی ہے۔ عبداللہ ابن مبارک کے اس قول "اگر کسی کے پاس ابوحنیفہ کی کتاب الحیل ہے اور وہ اس کے مطابق اس سے فتوی لیتا ہے تو اس کا حج باطل ہے اور اس کی بیوی پر طلاق ہوگئی" کا یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ اس کتاب کا کہیں وجود ہی نہیں، اگر یہ کتاب موجود ہوتی تو اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی رائے قائم کی جاسکتی تھی، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) اس لیے یہ ماننے میں کچھ حرج نہیں کہ یہ کتاب امام کی طرف غلط منسوب ہے۔ امام اعظم سے اس الزام کی نفی میں امام ابوزہرہ نے امام محمد کی طرف منسوب کتاب الحیل کا بھی انکار کیا ہے بلکہ اس ضمن میں امام محمد کے دو شاگردوں ابوسلیمان جوزجانی اور امام ابوحفص کی رائے نقل کی ہے۔ اول الذکر امام محمد کی تصانیف میں اس نام کی کسی کتاب کو بغداد کے وراقوں کی کارستانی سمجھتے ہیں اور امام محمد کی تصنیف میں اس طرح کی کسی کتاب کو بالکل خارج از امکان قرار دیتے ہیں، جب کہ دوسرے شاگرد ابوحفص اس نام کی کتاب کو امام محمد کی ہی تصنیف سمجھتے ہیں اور امام سرخسی نے اسی رائے کو ترجیح بھی دی ہے۔ امام ابوزہرہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے کسی نتیجے پر پہنچنا دشوار امر ہے کیوں کہ دونوں ہی خاص شاگرد ہیں اور ایک کا انکار اور دوسرے کا اثبات ضرور کچھ معنی رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ جوزجانی کے مطابق بغداد کے وراقوں کی ہی ترتیب ہو اور بعد کے لوگوں نے امام محمد کی طرف منسوب کر دی ہو، پھر جب اسی مجموعے کو ابوحفص کے سامنے توثیق کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کی توثیق کر دی (ملخصاً از ابوحنیفہ مترجم: ص ۶۳۶)

☆ بعد میں اس کتاب کو مجاہیل اور کذابین کی سند سے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ دیکھیے تانیب الخطیب ص ۱۲۱، ۱۲۲ (مؤلف)

خلفا کے ساتھ ابو یوسف کے بعض واقعات

جب ابو یوسف پہلی بار خلیفہ کے خاص افراد سے ملے تو دیکھا کہ یحییٰ بن خالد ان سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ انہیں ماضی کے بادشاہوں، گذشتہ امتوں، ایام عرب، اگلی داستانوں اور اس کے علاوہ فنون جس کی نئی عہد میں ضرورت ہوتی ہے پر کس قدر مہارت حاصل ہے، ابو یوسف نے جب یہ اندازہ کر لیا تو ان سے بات چیت میں کمی کر دی اور اپنا وقت ان علوم وفنون کے مطالعے پر صرف کیا، تھوڑے ہی دنوں میں اپنی قوت حافظہ اور ذہانت وفطانت کی وجہ سے ان علوم میں زبردست مہارت حاصل کر لی۔ پھر انہیں وزیر یحییٰ سے بات کا موقع میسر آیا، وزیر ان کی وسعت اطلاع اور مروجہ علوم میں مہارت سے حیران رہ گیا، اس نے خیال کیا کہ ابو یوسف ان فنون میں پہلے سے ہی وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ تاریخ شاہد عدل ہے کہ اس کے بعد اس نے ابو یوسف کی بڑی قدر کرنی شروع کر دی۔

ابن ابی عوام نے ابو عبداللہ محمد بن ہارون بن محمد عباسی سے روایت کی، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے ابو یحییٰ بن ابو میسرہ سے انہوں نے سعید بن عثمان زیات سے وہ اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ جمعہ کے روز شہر جعفر میں ہارون رشید منبر پر تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنا شروع کیا ''خدا کی قسم تم نے برابری کا حق ادا نہیں کیا، رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا مظاہرہ نہیں کیا، تم نے ایسا کیا ایسا کیا''، اسے گرفتار کرنے کا فرمان جاری ہو گیا، گرفتار کر کے خلیفہ کے پاس لایا گیا، خلیفہ نے ابو یوسف کو بلا بھیجا، ابو یوسف کہتے ہیں میں جب خلیفہ کے پاس گیا تو وہ بیٹھے تھے اور اس شخص کی گردن دار پر چڑھی ہوئی تھی، جلاد کوڑے لیے تیار تھے، خلیفہ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا ''یعقوب اس شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات کہو جو مجھ سے کسی نے بھی

نہیں کہی''، ابو یوسف کہتے ہیں میں نے کہا ''امیر المومنین! نبی اکرم ﷺ سے بھی اس طرح کی بات کہی گئی ہے، قصہ مختصر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ایک بار کچھ تقسیم فرمایا تو کسی نے کہا یہ ایسی تقسیم ہے جس سے رضائے الٰہی کا قصد نہیں کیا گیا، نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو کچھ بھی نہیں کہا اسے معاف کر دیا۔'' (۹۳)

ایک بار نبی اکرم ﷺ کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا عدل کرو، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ اس شخص کو بھی آپ نے معاف فرما دیا (۹۴) بلکہ اس سے سخت الفاظ آپ کو اس وقت کہے گئے جب آپ کے پاس زبیر اور ایک انصاری کا مقدمہ آیا، آپ ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ دیا، دوسرے فریق نے کہا یا رسول اللہ آپ نے ان کے حق میں اس لیے فیصلہ کیا کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو بھی معاف فرما دیا (۹۵) کہتے ہیں اس کے بعد ہارون رشید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور حکم دیا کہ اس شخص کو رہا کر دیا جائے۔

ابن ابی عوام نے ابو یحییٰ بن میسرہ (عن محمد بن داؤد عباسی) کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم لوگ بغداد میں تھے کہ رمضان کا مہینہ آ گیا، ہم لوگ ہر شام ہارون رشید کے گھر جایا کرتے تھے، جب عصر کی نماز سے ایک مرتبہ فارغ ہوئے تو عبید اللہ بن عباس، داؤد بن عیسیٰ اور عبد اللہ بن سلیمان کو اندر آنے کی اجازت ملی، ان کے بعد قاضی ابو یوسف، ابن عمران طلحہ اور حسن لؤلوی کو اندر داخل ہونے کی اجازت ملی، یہ لوگ ہارون رشید کے سامنے فقہی گفتگو میں مصروف رہا کرتے جب سورج نکل آیا، ہمیں داخلہ کی اجازت ملی۔ ایک دن رشید ان کے پاس آئے اور کہا ''مجھ سے جو پوچھنا ہے پوچھو'' حسن لؤلوی نے ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ پوچھ دیا، ابو یوسف نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا اس طرح کے مسائل امیر المومنین سے نہیں پوچھے جاتے ہیں، پھر کہا امیر المومنین اس مسئلے میں ابو حنیفہ کا یہ قول ہے اور ان کی یہ دلیل ہے، ابن ابی لیلیٰ کا یہ قول ہے اور ان کی یہ دلیل ہے، امیر المومنین کس قول کو لینا پسند کریں گے؟ رشید نے کہا ابو حنیفہ کا قول لینا چاہیے، کیوں کہ ان کی دلیل اس بارے میں زیادہ قوی ہے، پھر کہا ابن ابی لیلیٰ کا فلاں مسئلے میں یہ قول ہے اور ان کی یہ دلیل ہے، امیر المومنین کس قول کو اختیار کرنا چاہیں گے؟ رشید نے کہا، ابن ابی لیلیٰ کا قول

کیوں کہ ان کی دلیل زیادہ قوی ہے۔

راوی کہتے ہیں جب ہم لوگ لوٹ آئے تو ابو یوسف نے لؤلوی سے مخاطب ہو کر کہا ''اے کمزور انسان! اس طرح پے چیدہ مسئلے خلفا سے پوچھے جاتے ہیں؟ اگر ہم میں سے کسی سے پوچھ لو تو وہ نہیں بتا سکے گا'' لؤلوی نے کہا پھر انہوں نے ہم سے یہ کیوں کہا جو چاہو پوچھ لو، پھر کہا رشید جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو اپنا ہاتھ سجدہ کی جگہ رکھتے ہیں اور پھر چہرہ پر ملتے ہیں، حسن نے کہا امیر المؤمنین کا یہ فعل بدعت ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ (امیر المؤمنین سے جب پوچھا تو) انہوں نے کہا میں نے اپنے آبا واجداد کو ایسا کرتے دیکھا ہے اس لیے میں ان کی اقتدا کرتا ہوں۔ ابو یوسف ان کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا اسے کچھ بھی علم نہیں، پھر لؤلوی سے مخاطب ہو کر کہا کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص پر دم اس طرح کیا کہ اپنے ہاتھ پر لعاب دہن لگایا پھر اسے زمین پر رکھا اور یہ کلمات کہے:: ریق بعضنا بتربة ارضنا یشفی مریضنا باذن اللّٰہ۔ (۹۶)

جب لوٹے تو ہارون نے لؤلوی کو مجلس میں شریک ہونے سے روک دیا۔

حسن بن زیاد سے مروی ہے کہتے ہیں ہم لوگ ایک دن ابو یوسف کے دروازے پر ان کا انتظار کر رہے تھے کہ ہم نے دیکھا وہ رشید کے گھر سے مسکراتے آ رہے ہیں، پھر کہا آج امیر المؤمنین کے سامنے ایک عجیب مسئلہ پیش ہوا، امیر المؤمنین کے پاس یہ بات پیش کی گئی کہ ارمینیا کے قاضی کے پاس دو عورتیں اپنے گھڑے کا مقدمہ لے کر آئیں، مقدمہ کچھ اس طرح تھا کہ دونوں کہیں سے پانی بھر کر لا رہی تھیں، ایک جگہ دونوں نے آرام کرنے کی غرض سے اپنا گھڑا رکھا، اس اثنا میں ایک کا گھڑا دوسرے کے گھڑے پر گر گیا اور دونوں ہی گھڑے ٹوٹ گئے، دونوں اپنا مقدمہ قاضی کے پاس لے کر آئیں اور ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہنے لگی کہ اس کا گھڑا میرے گھڑے پر گر پڑا اور ٹوٹ گیا، قاضی دونوں کو دیکھنے لگا اور مدعی اور مدعی علیہا میں کچھ فرق نہیں کر سکا، سپاہی سے کہا ان دونوں کو تھوڑی دیر بعد لاؤ، سپاہی نے ان دونوں سے تھوڑی دیر بعد آنے

☆ دار الکتب المصریہ میں جو کتاب اس نام سے ہے ان کی تالیف نہیں ہے اگرچہ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ ان کی تالیف ہے۔ (مؤلف)

کو کہا تو دونوں شور مچانے لگیں، قاضی نے انہیں دوبارہ بلالیا، پھر گھڑے کا واقعہ کہنے لگیں، قاضی ان کی طرف دیکھنے لگا اور پھر سپاہی سے کہا انہیں بعد میں حاضر کرو، پھر دونوں شور مچانے لگیں، قاضی نے سپاہی سے کہا جاؤ دونوں کو دو گھڑے خرید کر دے دو تاکہ میری جان چھوٹ سکے۔ جب شام ہوئی تو قاضی اپنے ایک خاص آدمی سے بات کرتے ہوئے پوچھنے لگا کہ لوگ ہمارے بارے میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا لوگ کہہ رہے ہیں کہ قاضی نے گھڑے کا فیصلہ صحیح نہیں کیا اس لیے کہ اسے جرمانہ دینا پڑا، قاضی نے کہا سبحان اللہ! کیا لوگ اس سے خوش نہیں کہ جس مقدمے کا صحیح فیصلہ کر سکتا ہوں تو کرتا ہوں اور اگر صحیح نہیں کر سکتا تو جرمانہ یا بدلہ چکا دیتا ہوں۔

ابو یوسف کہتے ہیں میں نے کہا امیر المومنین یہ قاضی بڑا دانا انسان ہے اس کا وظیفہ بڑھا دینا چاہیے تاکہ وہ جرمانہ بھی بھر سکے، رشید نے ہر مہینے ایک ہزار درہم اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔ حسن بن زیاد کہتے ہیں ہم نے ابو یوسف سے پوچھا اس مسئلے کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟ ابو یوسف نے جواب دیا اگر ان دونوں نے گھڑا ایسی جگہ رکھا تھا جہاں عام طور پر مسلمان آرام کرنے کے لیے ٹھہرتے ہیں تو ان میں کوئی بھی جانی نہیں اور اگر ان دونوں نے اپنے گھڑے مسلمانوں کے آرام کرنے کی جگہ نہیں رکھے تھے، پھر گھڑا چھوٹ گیا تو ہر ایک دوسرے کے حق میں جانی اور قصوروار ہے اور ہر ایک کو دوسرے کے گھڑے کی قیمت چکانی پڑے گی، اور اگر ایک کا گھڑا آرام کرنے کی جگہ پر تھا اور دوسرے کا اس حدود سے باہر تو جس کا باہر تھا وہ قصوروار ٹھہرے گی۔

اسد بن فرات سے مروی ہے کہ ابو یوسف مقدمے کا فیصلہ ہارون رشید کے سامنے کیا کرتے تھے، ایک بار مقدمہ ان دونوں میں سے کسی سے متعلق تھا تو رشید دوزانوں بیٹھ گئے اور ابو یوسف کی طرف رخ کر لیا یہاں تک کہ فیصلہ ہو گیا، پھر کہا اسی طرح مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں سب کو کرنا چاہیے تاکہ یعقوب کا فیصلہ نافذ کیا جا سکے۔

صیمری نے وہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے جس میں یہ ہے کہ ایک مسلمان نے کسی ذمی کو بالقصد قتل کر دیا تھا، اس پر دلیل بھی قائم کر دی گئی تھی، قاتل کو قید کر دیا گیا، کچھ لوگوں نے اشعار میں ابو یوسف کی ہجو اس بنیاد پر کی کہ انہوں نے کافر کے عوض مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، پھر معاملہ رشید تک پہونچا، اس کی خواہش ہوئی کہ قصاص ساقط ہو جائے اور ابو یوسف نے قصاص ساقط

اس لیے کردیا کہ مقتول کے ولی یہ ثابت کرنے میں ناکام رہے کہ مقتول جزیہ ادا کرتا تھا۔(۹۷)

یہ مسئلہ کہ مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ اختلافی ہے، اس کی تفصیل مفصلات میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے۔ قرطبی نے کہا ابو یوسف نے قاتل کو قید کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ مقتول کے حالات کا کچھ پتہ چل سکے جس سے قصاص واجب ہوسکتا تو اس کے قاتل سے قصاص لیا جاتا یا کوئی ایسی معقول وجہ سامنے آسکتی جس سے قصاص ساقط کردیا جاتا، لہٰذا جب یہ ظاہر ہوگیا کہ ایسی معقول وجہ موجود ہے تو قصاص لینے کا حکم واپس لے لیا۔

مخالفین نے اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ اگر ان کے نزدیک قصاص واجب ہوگیا تھا تو اس حیلے سے کیسے اسے ساقط کردیا اور اگر قصاص ثابت ہی نہیں ہوا تھا تو اولاً واجب ہی کیسے کیا؟

قرطبی نے مخالفین کے اس اعتراض کو مقام اجتہاد پر اعتراض گردانا ہے، اس کے بعد اس پر تفصیل کے ساتھ دلائل ذکر کیے ہیں اور وہ دلائل بڑے خوب ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رشید کی خواہش شریعت کے اس حکم کے مطابق تھی جس سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے، اگر ابو یوسف کے نزدیک قصاص واجب ہوچکا ہوتا تو وہ اس کو قید ہی نہیں کرتے بلکہ اسی وقت اس کو نافذ کرنے کا حکم صادر کرتے۔

ابن عبدالبر نے کہا ابو یوسف چیف جسٹس ہیں انہوں نے تین خلفا کے عہد میں قضا کا فریضہ انجام دیا، منصب قضا پر مہدی کے کچھ عہد تک فائز رہے، ہادی کے زمانہ خلافت میں اسی منصب پر رہے اور پھر رشید کے زمانے میں بھی اسی منصب پر رہے، رشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا، وہ رشید کے نزدیک بڑے مرتبے والے تھے۔(۹۸)

ابن عبدالبر نے ابن جریر کے حوالے سے یہ بھی روایت کیا کہ ابو یوسف بڑے فقیہ، عالم، حافظ اور کثیر الحدیث تھے، کچھ محدثین نے ان پر رائے کا غلبہ، فرعی مسائل کا استخراج، خلیفہ

---

(۱۰۸)اخبار ابی حنیفہ ج ا/ص ۱۰۸ (۱۰۹)تاریخ بغداد ج ۱۴/ص ۲۶۱

(۱۱۰)اس باب میں طحاوی کی کتاب ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے متعلق سب سے زیادہ مفید ہے۔ مناقب کی کتابیں ان کے حوالے سے بھری ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جلد از جلد منظر عام پر آجائے۔ ابن ابی عوام اور صیمری کی کتاب مطبع میں جانے کے لیے تیار ہیں، یہ دونوں کتابیں بھی اپنے موضوع پر بہت نفع بخش ہیں۔(مؤلف) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی صحبت اور منصب قضا پر رہنے کی وجہ سے ان کا حدیث سے اجتناب کرنا بیان کیا ہے (۹۹)۔ اس کے بعد ابن عبد البر نے کہا یحییٰ بن معین ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور ان کی توثیق بھی کرتے تھے لیکن دوسرے تمام محدثین تو وہ سب ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے دشمن کی طرح سلوک کرتے ہیں۔

ابن عبد البر جب مشرق اسلامی کی طرف کوچ کر گئے تو مشارقہ کے بہت سارے ایسے اقوال جو احناف کے خلاف تھے ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے، اس سے قبل انہوں نے ان میں سے بہت سارے اقوال نقل کیے تھے۔ محدثین کی احناف سے تنگ نظری کے اسباب تانیب الخطیب (۱۰۰) میں مفصل مذکور ہیں۔

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) قاضی حسین صیمری کی کتاب أخبار أبی حنیفة ۱۹۸۵ء میں عالم الکتب بیروت سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے، راقم نے جگہ جگہ اس سے استفادہ کیا ہے۔ ابن ابی عوام کی کتاب اب تک لائبریری کی زینت ہے ، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ بھی جلد از جلد چھپ کر منظر عام پر آجائے (مترجم)

پیچیدہ مسائل کا حل اور فقہی تدابیر

امام ابو یوسف کی طرف بہت سارے ایسے مسائل منسوب ہیں جن میں لوگ حرج کا شکار تھے آپ نے اپنی دقت فہم سے ان سب میں ایسے حیلے نکالے جس سے لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں اور مشاکل سے بخوبی جان چھوٹ گئی۔ مَیں نے ذہبی کی کتاب زغل العلم پر جو حاشیہ لگایا ہے اس میں ذکر کیا ہے کہ اسلامی قوانین میں ایسا حیلہ تلاش کرنا جس سے قوانین ہی بے معنی ہو جائیں ان اشخاص سے صادر ہو سکتا ہے جن کا ایمان کمزور اور جن کا یقین بیمار ہے، تاہم مازق اور پیچیدگی سے نکلنے کے لیے احقاق باطل اور ابطال حق کے بغیر باریک بینی سے حیلے اس طور پر تلاش کرنا کہ نص سے کوئی تعارض لازم نہ آئے، اللہ ورسول کے نزدیک پسندیدہ امر ہے، سلف اور خلف کا طریقہ کار ہے، اور ان میں مختلف وجوہ پیدا کرنا قوت ذہانت اور براعت استدلال کی نشانی ہے۔ بشرطے کہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت نہ کیا جائے۔

جرأت مندانہ اقدام کر کے حیلہ تلاش کرنے والے قضاۃ کا تعلق دیر تک منصب قضا سے رہا ہے۔ برے حیلوں میں ایک یہ ہے کہ ایسے شاذ قول پر فتویٰ دیا جائے جس کی کوئی دلیل نہ ہو اور ہو بھی تو ایسی ضعیف روایتوں پر اس دلیل کا اعتماد ہو کہ نقد ونظر کے آگے ذرا بھی نہ ٹھہر سکے، ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کا زہد وورع سے بہت کم تعلق ہوتا ہے، ایسوں کا اللہ ہی نگہبان ہے۔

امام ابو یوسف کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ انہوں نے کسی شرعی مسئلے میں حیلہ اختیار کر کے ایسا جواب دیا تھا جس کی بنیاد پر وہ رشید سے قریب ہو گئے تھے اور جس کی بنیاد پر انہیں منصب قضا ملا تھا، بالکل ایسا ہی جھوٹا ہے جیسا کہ امام مالک کی طرف یہ منسوب ہے کہ انہوں نے رشید کے

(۱۱۰) مرجع سابق (۱۱۱) اخبار ابی حنیفہ ج ا رص ۱۳۳

لیے مسائل میں رخصت پیدا کردی تھی، جس کا بیان السر المعزو الیہ میں ہے۔اس کے جھوٹا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابو یوسف تو مہدی کے زمانے میں ہی عہدۂ قضا پر فائز ہوئے تھے، ہادی کے زمانے میں بھی قضا سے منسلک رہے اور یہ سلسلہ رشید کے عہد تک چلتا رہا جیسا کہ سمعانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اوراس مدت میں انہوں نے کسی طرح کی کوئی چاپلوسی بالکل نہیں کی جیسا کہ ان کی کتاب الخراج کے مقدمہ اوران کی حیات پر لکھی جانے والی کتابوں سے ظاہر ہے۔

تذکرہ نگاری بالخصوص علما (احناف وشوافع) سے متعلق تذکروں میں ذہبی کا محتاط رویہ معروف ہے،انہوں نے ابو یوسف کے علم وفضل،زہدوورع پر پورا ایک جز تالیف کیا ہے اوراس رسالے میں خوب تعریف کی ہے،اس کے باوجود انہیں کے شاگرد تاج الدین سبکی نے الطبقات الکبریٰ (ج ا ص ۱۹۷) میں کئی احناف اور شوافع ائمہ پر ان کی زبان درازی نقل کی ہے۔محمد بن حسن نے ''بیع عینہ'' (۱۰۱) کے بارے میں کہا یہ میرے نزدیک پہاڑ کے مثل ہے،ابو یوسف نے جو اس کو جائز قرار دیا ہے تو لوگوں نے اس کو عین کے مالک کی طرف لوٹ جانے کی صورت پر محمول کیا ہے،لہٰذا ان دونوں کا اس مسئلے پر اتفاق ہوگیا۔

خطیب نے معافی نہروانی کے حوالے سے تخریج کیا ہے کہ جعفر کی والدہ جس طرح چاہتیں ابو یوسف سے فتویٰ لے لیا کرتیں، وہ ابو یوسف کو تحفے تحائف بھی دیا کرتی تھیں، ابو یوسف لوگوں کی موجودگی میں اسے لینے سے انکار کیا کرتے تھے۔(۱۰۲) اس واقعے کی سند میں حسین بن قاسم کوبکی ہیں، یہ اخباری ہیں، مناکیر روایت کرنے میں منفرد ہیں، ابن حجر نے لسان المیزان میں ان کے بارے میں کہا یہ مشہور اخباری ہیں، میں نے ان کی عمدہ اسناد کے ساتھ مروی خبروں میں بہت مناکیر پائے۔اس کے بعد ابن حجر نے وہی بات لکھی جس کا ذکر معافی نے کیا اور ضعیف اخبار کا تذکرہ بھی کیا ہے۔یہی وہ ہیں جن کے احوال سے متعلق خطیب کا نظریہ بالکل مثبت ہے کیوں کہ انہیں اس کے نزدیک وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔

معافی نے محمد بن حسن بن زیاد نقاش کے حوالے سے ابو یوسف کا جعفر کی والدہ سے ہدیہ لینے کا انکار بھی نقل کیا ہے۔(۱۰۳) یاد رہے کہ ''نقاش'' مشہور کذاب ہے۔

بطریق معافی عن محمد بن ازہر نصف جاریہ کی بیع اور نصف کا رشید کو ہبہ کردینے کا ابو یوسف

کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے تا کہ باندی کے مالک (جس نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ نہ تو اسے بیچے گا اور نہ ہی ہبہ کرے گا) کو حانث ہونے سے بچایا جا سکے، (۱۰۴) اس کے ساتھ ساتھ دو صفحات میں کئی ایک دلچسپ لطیفوں کا بھی ذکر ہے، جب کہ اسی ابن ازہر کے بارے میں خطیب نے ہی (ج ۳ ص ۲۸۸ میں) لکھا ہے کہ یہ بڑا جھوٹا تھا اس کے کذب کی برائی بڑی مشہور تھی۔

عقیلی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف یتیموں کا مال مضاربہ کے طور پر دے دیا کرتے تھے تا کہ اس کا منافع خود لے سکیں، (۱۰۵) اس کی سند میں ''احمد بن علی آبار'' ہے، ہمارے اصحاب کے خلاف اس کا تعصب بڑا عجیب و غریب قسم کا ہے جیسا کہ خطیب کے نزدیک اس کی مروی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے اور متعصب، سرکش شخص کی روایت محدثین کے نزدیک غیر مقبول ہے تاہم یہ بات بھی معلوم رہنا چاہیے کہ یتیم کا مال قاضی کے پاس بطور امانت ہوتا ہے اگر اس سے بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان واجب نہیں۔ یونہی یتیم کے مال پر ان کے مذہب کے مطابق ضامن پر زکاۃ ہے، تو انہوں نے اگر مضاربہ کر لیا تو ضامن کی حیثیت سے کیا، اس لیے کہ اگر مال ہلاک ہو جاتا تو ضمان انہیں پر واجب ہوتا، اور زکاۃ بھی انہیں پر تھی نہ کہ یتیم پر، تو اگر انہوں نے مضاربے کے ذریعے مال میں اضافہ کیا اور منفعت کے طور پر یتیم کو کچھ دے دیا تو یہ احسان پر احسان ہوگا، جیسا کہ ابو یوسف کی عادت بھی تھی۔ جہاں تک یتیم کے مال میں تصرف کرنا اور معروف طریقے پر اس سے کھانے کی بات ہے تو بخاری کی شرحوں میں کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا واضح بیان ہے اور اس بارے میں علما کا اختلاف بھی معروف ہے۔ بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ ابو یوسف سے یتیم کے مال میں تصرف ثابت ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اس پر لعن وطعن وہی شخص کر سکتا ہے جس کا علمی دائرہ تنگ اور مطالعہ محدود ہو۔

موفق نے ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اس کا حل کیا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھالی کہ اس نے ایسا کیا تو اس کا سارا مال صدقہ ہے؟ جواب دیا وہ شخص اپنا مال کسی معتمد شخص کو دیدے، پھر کچھ ایسا کرے جس سے وہ شخص اس کا مال اسے لوٹا دے۔ کسی شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر اسی وجہ سے تو لعنت فرمائی کہ ان پر چربیاں حرام کر دی گئیں مگر وہ اس سے حاصل شدہ قیمت کھایا کرتے تھے؟

ابو یوسف نے کہا اے لکع! اس میں اور لعن یہود کے مسئلے میں کوئی مناسبت نہیں، یہودیوں کی نیت یہ ہوا کرتی تھی کہ ایسا حیلہ تلاش کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حرام کی ہوئی چیزیں ان کے لیے حلال ہو جائیں اور یہ تو اس کا مال ہے، جو اس کے لیے حلال ہے اور وہ ایسا حیلہ تلاش کر رہا ہے جس سے اس پر حرام نہ ہو جائے۔ (۱۰۶)

لوگوں سے حرج کو دور کرنا ایک فن ہے جس کی سمجھ فقہا کو ہی ہو سکتی ہے۔ علامہ وقت استاذ محمد ابوزہرہ ☆ استاذ شریعہ، کلیہ حقوق قاہرہ نے اپنی کتاب الامام ابو حنیفة (۱۰۷) میں اس بحث کی پوری طرح چھان بین کی ہے اور اپنی شان کے مطابق زبردست تحقیق سے مزین کر دیا ہے۔

میں نے زغل العلم کے حاشیے میں یہ لکھا ہے کہ ذہبی نے اپنے اس رسالے میں جو محمد بن حسن سے متعلق ہے، بطریق طحاوی (عن احمد بن ابی عمران عن محمد بن سماعہ) ذکر کیا کہ محمد بن سماعہ کہا کرتے تھے کہ میں نے محمد بن حسن کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ کتاب ہماری کتابوں میں سے نہیں، ہماری طرف وہ زبردستی منسوب کر دی گیا ہے۔

امام محمد کی مراد کتاب الحیل ہے، یہ کتاب اُسی زمانے میں ایسے لوگوں کے ہاتھوں پائی جا رہی تھی جن کا علم و تقویٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں تھا ☆ اس کتاب میں مؤلف کا نام مذکور نہیں تھا، اس لیے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ابو حنیفہ کے اصحاب کی یہ کتاب ہے جب کہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط (ج ۳ ص ۲۰۹) میں لکھا ہے:

> ابو سلیمان جوزجانی اس کا انکار کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے کہ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحیل نامی کوئی کتاب تصنیف کی ہے اس کی تصدیق نہ کرو، لوگوں کے ہاتھوں میں اس نام سے جو کتاب ہے وہ بغداد کے کاتبوں نے جمع کی ہے، جاہلوں نے ہمارے علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی طرف ایسی باتیں صرف اس لیے منسوب کر دیں کہ ان کو شرمندہ کیا جائے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں ایسا کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کسی تصنیف کا ایسا نام رکھا جو جاہلوں اور بکواس کرنے

(۱۱۲) المناقب ج ۲ ص ۱۲۲

والوں کے لیے مددگار ثابت ہو سکے۔ ہاں ابو حفص کہا کرتے تھے کہ یہ محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور وہ ان سے اس کی روایت بھی کیا کرتے تھے، یہی اصح ہے۔

سرخسی نے قرآن وسنت سے حیلے کے جواز پر بہت ساری دلیلیں دی ہیں اور ایک لمبی بحث کی ہے۔ حیلے کا مفہوم فقہا کے نزدیک ''مکر'' نہیں، بلکہ ایک ایسی لطیف تدبیر کا نام ہے جس سے نصوص میں ٹکراو کے بغیر نجات کی راہ نکال لی جائے۔ جوز جانی اور ابو حفص کبیر بخاری محمد بن حسن کی کتابوں کے دو بڑے راوی ہیں۔ جوز جانی کی نفی اور ابو حفص کے اثبات سے میں جو کچھ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ دونوں قول کسی ایک کتاب کے بارے میں نہیں، بلکہ نفی کا تعلق اس کتاب سے ہے جس کے مسائل من گھڑت ہیں اور شریعت کی حکمت کے خلاف ہیں جس سے ہمارے اصحاب بری ہیں، اور اثبات کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایسے مسائل جو انسان کو دشواری سے نکال لائیں اور حرج میں پڑنے سے محفوظ رکھیں، جس کو ابو حفص کبیر نے محمد بن حسن سے حاصل کیا، اور جس سے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کا شائبہ نہیں ہوتا اور نہ ہی شریعت کی حکمت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا جوز جانی اس من گھڑت کتاب کی امام محمد سے نفی کرنے میں حق بجانب ہیں اور یوں ہی ابو حفص ان حکیمانہ مسائل جو انسان کو پیچیدگیوں سے باہر کر دیں کا امام محمد سے انتساب اور اثبات کرنے میں حق بجانب ہیں۔ یہ ابو حفص کبیر، احمد بن حفص بن زبرقان عجلی بخاری ہیں جو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین میں سے ہیں۔ بخارا سے عہد قدیم میں ہی عراق آ گئے تھے، لہٰذا محمد سے وہ روایتیں سنیں جو جوز جانی نہیں سن سکے تھے، اور جو جوز جانی نے محمد بن حسن سے سنا مثلاً السیر الکبیر وہ ابو حفص نہیں سن سکے تھے، کیوں کہ وہ بخارا مدت پہلے ہی لوٹ چکے تھے تا کہ لوگوں کے لیے اس کتاب کو عام کیا جا سکے، لہٰذا نفی اور اثبات دونوں کا تعلق کسی ایک کتاب سے نہیں ہے، اس کی تائید ان مسائل سے بھی ہوتی ہے جو شمس الائمہ نے ابو حفص سے روایت کی ہے کیوں کہ وہ ایسے مسائل نہیں ہیں جو حکمت شرع کے خلاف اور حق کے منافی ہوں۔ ابو حفص بہت بڑے امام ہیں جیسا کہ بیان ہوا کہ پہلے ہی عراق آئے تھے، بخارا جب لوٹے تو علم وحکمت کا پہاڑ لے کر لوٹے اور وہاں اس حد تک علم پھیلایا کہ بخارا علم

وفن میں اسلام کا مرکز بن گیا۔ اہل بخارا نے ان سے جامع ثوری، مصنفات ابن مبارک اور مصنفات وکیع کی سماعت کی اور علم فقہ حاصل کیا یہاں تک کہ بخارا کا قریہ قریہ ان کے اصحاب فقہا کی جماعت سے لبریز ہوگیا۔ سمعانی نے باب الخیزاخزی (یہ بخارا کا ایک گاؤں ہے) کے تحت لکھا:

اس گاؤں میں فقہا کی ایک جماعت تھی جو ابوحفص کبیر کے اصحاب تھے۔ یہ امام بخاری (صاحبِ صحیح) کے ابتدائی اساتذہ میں سے بھی ہیں، امام بخاری نے اپنا علمی سفر شروع کرنے سے پہلے ان کی شاگردی حاصل کی تھی۔

خطیب کی تاریخ (ج ۲رص ۷) میں ہے:

امام بخاری (صاحبِ صحیح) نے ابن مبارک اور وکیع کی کتابیں یاد کیں اور ان لوگوں (یعنی اہل رائے) کے کلام کی معرفت حاصل کی، اس وقت ان کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

اسی میں (ج ۲رص ۱۱) ہے:

امام بخاری (صاحبِ صحیح) نے جامع ثوری امام ابوحفص سے سماعت کی۔

خطیب نے امام بخاری (صاحبِ صحیح) کا امام ابوحفص کی درسگاہ میں ایک ایسی حکایت کا بھی ذکر کیا ہے جو جوانی میں ہی بخاری (صاحبِ صحیح) کے حفظ واتقان کی شاہد ہے۔ امام ابوحفص کے صاحبزادے ابوعبداللہ محمد جو ابوحفص صغیر سے جانے جاتے ہیں ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بخاری نے طلب علم میں اپنا رفیق بنایا تھا، ذہبی نے سیر اعلام النبلا میں ان کی تعریف کی ہے، عبدالحی لکھنوی نے الفوائد البھیۃ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، اور امام بخاری کو بخارا سے نکالے جانے کا واقعہ بھی ان سے ہی مروی ہے، ان کے والد سے یہ واقعہ مروی نہیں کیوں کہ ان کی وفات اس واقعے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں، الرد علی اہل الاھواء ان میں سے ایک ہے۔ ☆ ابوبکر محمد بن جعفر نرشخی نے تاریخ بخاری (جس کی تالیف

(۱۱۳) سنن الترمذی ج ۳رص ۳۲۱، حدیث نمبر ۱۹۱۹

انہوں نے نوح بن نصر بن احمد بن اسمٰعیل سامانی کے لیے ۳۳۲ھ میں کی) میں جہاں بخارا کے علاقے ''درحقرہ'' (بمعنی حق کا دروازہ) کا تذکرہ کیا ہے، لکھا ہے:

ابو حفص کبیر بخاری اسی جگہ کے رہنے والے تھے، یہاں سے کوچ کر کے بغداد گئے، محمد بن حسن شیبانی سے علم فقہ حاصل کرنے کے بعد واپس آئے، وہ علم اور تقویٰ کے جامع تھے، اس علاقے میں ان کی طرح کوئی بھی نہیں تھا، ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن پر اہل بخارا فخر کیا کرتے تھے، بخارا میں انہیں کی وجہ سے علم پھیلا یہاں تک کہ اسلام کا مرکز بن گیا اور انہیں کی وجہ سے بخارا کے علما اور ائمہ قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے۔

اس کے بعد ابو بکر زرنجی نے ذکر کیا کہ کس طرح امرا و سلاطین ان سے خوف کھایا کرتے تھے، امیر محمد طالوت کا واقعہ ذکر کیا کہ کس طرح وہ ان کی اجازت کے بعد ان سے ملنے آئے اور جب تک بیٹھے ہیبت کی وجہ سے ایک بات بھی نہیں کر سکے یہاں تک کہ واپس چلے گئے، ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

مَیں کئی خلفا اور بڑے بڑے سلاطین کے پاس گیا مگر مجھے اس قدر ہیبت کہیں بھی نہیں ہوئی۔

کثرت تلاوت کا بھی ذکر کیا ہے جس کا عالم یہ تھا کہ وفات تک ان کا معمول تھا کہ روزانہ آدھا قرآن کریم تلاوت کرلیں۔ حافظ بخارا محمد بن سلام بیکندی کے حوالے سے نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک شب خواب میں دیکھا کہ اونٹ پر سوار بخارا کی طرف تشریف لا رہے ہیں، حکایت کے مطابق سر مبارک پر ایک سفید ٹوپی تھی، لوگ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے بڑے خوش تھے، انہوں نے ابو حفص کے گھر میں نبی اکرم ﷺ کو اتارا اور دیکھا کہ ابو حفص نبی اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں، نبی اکرم ﷺ سماعت فرماتے اور اس کی تصدیق فرماتے۔ اس کے بعد یہ لکھا کہ ابو حفص کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی اور مقام ''تل'' میں دفن کیے گئے، جس کو ''تل ابی حفص'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہاں کئی مسجدیں اور عبادت خانے ہیں جس میں مجاورین بھی رہتے ہیں، لوگ اس جگہ سے برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ علمائے

عراق اپنے مشکل مسائل ان سے اور ان کے اصحاب سے حل کیا کرتے تھے۔اس کے بعد علم و تعلیم اور عبادت سے ان کی دلچسپی کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے صاحبزادے ابوحفص صغیر کا علمی مقام بھی بیان کیا ہے۔ابونصر احمد بن محمد بن نصر قباوی نے اس تاریخ کو فارسی میں ۵۲۲ھ میں منتقل کیا اور ۵۷۴ھ میں محمد بن زفر بن عمر نے اس کی تلخیص کی ہے۔فارسی ترجمہ ۱۸۹۲ء میں پیرس سے شائع ہوا ہے،عربی کا ایک حصہ بھی وہاں سے شائع ہوا۔جو شخص اس عظیم امام کے علم وتقویٰ اور بزرگی سے ناواقف ہے تو کم از کم اپنی جہالت کو علما کے درجات اور مراتب جاننے کا معیار نہ ٹھہرائے،اگر اس حقیقت سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے تو اصل کتاب اور ترجمہ ص ۵۴ تا ص ۵۶ کا مطالعہ کرے۔

امام ابو یوسف کی وفات

ابن ابی عوام نے محمد بن احمد بن حماد سے روایت کیا، انہوں نے احمد بن قاسم برتی سے انہوں نے بشر بن ولید سے کہ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۵/ربیع الاول ۱۸۲ھ بروز جمعرات بوقت ظہر ہوئی۔ خطیب نے خلیفہ بن خیاط، یعقوب بن سفیان اور ابو حسان زیادی سے مذکورہ تاریخ وفات پر اتفاق نقل کیا ہے، تاہم یعقوب نے ربیع الاول کے بجائے ربیع الآخر ذکر کیا ہے، یعقوب فسوی کے خلاف عمدہ قول بشر بن ولید کا ہے کیوں کہ وہ ان کے ان اصحاب میں سے ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ہیثم بن عدی نے جو ۱۷۲ھ تاریخ وفات بتائی ہے وہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے۔ یونہی ۱۸۱ھ بھی سبقت قلم کی دلیل ہے جس کی نسبت صیمری کے نزدیک خلیفہ بن خیاط کی طرف کی گئی ہے۔ صیمری نے واقدی سے بطریق ابن سعد ۱۸۲ھ سنہ وفات بتائی ہے، (۱۰۸) اس طرح وہ جمہور کے ساتھ ہیں۔

خطیب نے بطریق برقانی (عن عبدالرحمٰن الخلال، عن محمد بن احمد بن یعقوب عن ابیہ) ذکر کیا کہ میں نے شجاع بن مخلد کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ قاضی ابو یوسف کے جنازے میں شریک ہوئے، ہمارے ساتھ عباد بن عوام بھی تھے، میں نے عباد کو کہتے ہوئے سنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ابو یوسف کے بارے میں ایک دوسرے کو آپس میں تعزیت کریں۔ (۱۰۹)

ابن ابی عوام نے طحاوی ☆ سے روایت کیا انہوں نے ابن ابی عمران سے انہوں نے داؤد بن وہب سے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن قواس نے بیان کیا (ابن ابی عمران کہتے ہیں میں نے ابن ثلجی کو کہتے ہوئے سنا کہ بغداد میں قواس سے افضل کوئی نہیں) قواس کہتے ہیں کہ معروف

---

(۱۱۳) سنن البیہقی ج ۱۰/ص ۲۱۰۔ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کرخی نے پوچھا قاضی ابو یوسف کی کیا خبر ہے؟ جواب دیا، بیمار ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا اگر کچھ ہو تو مجھے ضرور بتانا، مجھ سے کچھ نہیں چھپانا، تو اس کہتے ہیں کہ مَیں اسی وقت گیا تا کہ ابو یوسف کی خبر دریافت کر سکوں، جب مَیں دار رقیق کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ ابو یوسف کا جنازہ آ رہا ہے اور لوگ اس کے ساتھ آ رہے ہیں، مَیں جنازے کے ساتھ چلنے لگا، مَیں نے سوچا اگر واپس ابو محفوظ کے پاس جاؤں تو دوری کی وجہ سے جنازے سے ہم دونوں محروم ہو جائیں گے، جب مَیں واپس ہوا تو معروف کرخی کے پاس آیا اور انہیں اس حادثے کی اطلاع دی اور کہا کہ اگر مَیں واپس آپ کے پاس آتا تو بھی آپ کو نماز نہیں مل سکتی، مَیں نے دیکھا کہ جنازے میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت افسردہ ہوئے، مَیں نے پوچھا آپ کیوں افسردہ ہو گئے؟ انہوں نے کہا مَیں نے آج رات دیکھا گویا مَیں جنت میں داخل ہو گیا ہوں، مَیں نے جنت میں ایک محل دیکھا (اس محل کے اوصاف بھی انہوں نے بیان کیے) مَیں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ جواب ملا قاضی ابو یوسف کا، مَیں نے پوچھا وہ کس وجہ سے اس کے مستحق ہوئے؟ جواب ملا علم پھیلانے اور لوگوں کے ان کی غیبت کرنے کی وجہ سے۔

خطیب نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے جس کے آخر میں ہے، مَیں معروف کے پاس آیا، مَیں نے انہیں اس حادثے کی خبر دی، ان پر بڑا گراں گزرا اور افسوس کا اظہار کرنے لگے، مَیں نے ان سے پوچھا ابو محفوظ ان کے جنازے میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو اس قدر افسردگی کیوں ہے؟ انہوں نے کہا مَیں نے دیکھا گویا مَیں جنت میں داخل ہو گیا ہوں، ایک خوبصورت محل ہے جس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے، دروازے لگائے جا چکے ہیں، پردے بھی لٹکے ہوئے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں، مَیں نے پوچھا یہ محل کس کے لیے ہے؟ جواب ملا قاضی ابو یوسف کے لیے، مَیں نے پوچھا کس وجہ سے وہ اس محل کے حق دار ہو گئے؟ جواب ملا

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) اترعون عن ذکر الفاجر اذکروہ بمافیہ الناس ویحذرہ الناس (ترجمہ: فاجر کا ذکر کرنے میں رعایت کس بات کی، اس کا ذکر کرو تا کہ لوگ اس سے پرہیز کر سکیں) بیہقی اس حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں فھذا حدیث یعرف بالجارود بن یزید النیسابوری وانکرہ علیہ أھل العلم بالحدیث۔ (ترجمہ: یہ حدیث جارود بن یزید نیشاپوری سے مشہور ہے، محدثین نے اس کا انکار کیا ہے) قرطبی نے اپنی تفسیر (ج ۱۶/ص ۳۳۹) میں اسی لفظ کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے۔

لوگوں کوخیر کا درس دینے اور بھلائی پر ابھارنے اور لوگوں کی ایذا رسانی پر صبر کی وجہ سے۔(۱۱۰)

ابو رجا کے المبشرة میں ہے جس کو ابن عبد البر، خطیب، صیمری اور ابن ابی عوام وغیرہ نے روایت کیا کہ میں نے محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا ''بخش دیا'' میں نے پوچھا اور ابو یوسف کے ساتھ کیا ہوا؟ جواب دیا ''وہ مجھ سے بلند مقام پر فائز ہیں'' میں نے پوچھا اور ابو حنیفہ کے ساتھ کیا ہوا؟ جواب دیا ''ان کی بات کیا پوچھتے ہو وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں''۔

ابن ابی عوام نے طحاوی سے روایت کیا انہوں نے ابن ابی عمران سے انہوں نے حسین بن عبدویہ وراق سے، وہ کہتے ہیں کہ جب ابو یوسف کا جنازہ نکالا گیا تو حاضرین میں ابو یعقوب حریمی بھی تھے، لوگ کہنے لگے فقہ کی موت ہوگئی، فقہ کی موت ہوگئی، ابو یعقوب یہ شعر پڑھنے لگے:

یا ناعی الفقه الی اهله   ان مات یعقوب وما یدری

لم یمت الفقه ولکنه   حول من صدر الی صدر

القاه یعقوب الی یوسف   فزال من طهر الی طهر

فهو مقیم فاذا ما ثوی   حل وحل الفقه فی قبر (۱۱۱)

(ترجمہ: اے فقہ کی موت کی خبر دینے والے، یعقوب کا اگرچہ انتقال ہوگیا ہے مگر فقہ کی موت نہیں ہوئی بلکہ ایک سینے سے دوسرے سینے کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔ یعقوب نے یوسف کے سینے میں ڈال دیا، اس طرح ایک پاک ہستی سے دوسری پاک ہستی کی طرف اس کا انتقال ہوگیا اور وہ زندہ ہیں، جب ان کا انتقال ہو جائے گا اور لوگ انہیں قبر میں ڈال دیں گے تو اس وقت فقہ بھی ان کے ساتھ قبر میں چلا جائے گا)۔

محمد بن احمد بن حماد سے مروی ہے، انہوں نے محمد بن یعقوب فرجی سے روایت کیا، انہوں نے ابو حسان زیادی حسن بن عثمان سے، وہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف ہارون رشید کے قاضی تھے، ابو یوسف نے اپنے صاحبزادے یوسف کو منصب قضا پر فائز کر دیا تھا، وہ اپنے والد کے ساتھ فیصلہ کیا کرتے تھے، جب ابو یوسف کا انتقال ہوگیا تو ہارون نے ان کے صاحبزادے یوسف کو اس منصب پر برقرار رکھا اور وہ اس منصب پر اپنی وفات تک فائز رہے۔ امام ابو یوسف کے صاحبزادے محمد بن

جعفر سے مروی ہے، وہ حسن بن حماد حضرمی سجادہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف سے سنا کہ میں قضا پر فائز کیا گیا اور مجھ سے پہلے میرے والد قضا کے عہدے پر فائز تھے، ہم لوگ تیس سال تک اس منصب سے متعلق رہے اس مدت میں کبھی بھی ہمیں یہ نوبت نہیں آئی کہ جد اور ان کے بھائی کے کسی مقدمے کا فیصلہ کریں۔

قاضی وکیع نے کہا مجھے احمد بن ابی خیثمہ نے خبر دی، انہوں نے مفضل بن غسان سے روایت کی، انہوں نے علی بن صالح سے وہ کہتے ہیں کہ موسیٰ (ہادی) نے ابو یوسف کو قضا پر فائز کیا اور وہ ہر چیز کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شریک اس وقت کوفہ میں تھے، ابو یوسف اور عافیہ نے مہدی سے شکایت کی کہ وہ (شریک) ہماری کتابوں سے استفادہ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے مسائل کا نفاذ کرتے ہیں۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف مہدی کے زمانے میں موسیٰ کے لیے ان کے دروازے پر قضا کا کام انجام دیتے تھے۔

علی بن صالح نے کہا کہ ابو یوسف ہمارے ساتھ اور موسیٰ کے ساتھ مہدی کے زمانے میں جرجان آئے، مہدی نے یوسف کو ان کے والد کی جگہ قاضی بنا دیا اور ہم لوگ جرجان میں ہی تھے۔

قاضی وکیع نے کہا کہ مجھے ابراہیم بن ابو عثمان نے خبر دی، انہوں نے عبداللہ بن عبدالکریم حواری سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف نیک، مامون اور سچے انسان تھے، ابو یوسف نے اپنی اکثر کتابیں انہیں پڑھائیں، وہ فیصلہ کرنے میں ابو یوسف سے زیادہ مدبرانہ شان کے مالک تھے، تاہم غور و فکر اور حفظ میں وسیع النظر نہیں تھے، قاضی کا بیان ہے کہ انہوں نے ابو یوسف سے علم حدیث حاصل کیا۔

رشید ابو یوسف کے جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے، اور نماز جنازہ کی امامت بھی کی اور اپنے گھر والوں کے قبرستان میں انہیں دفن بھی کیا، دفن کرتے وقت یہ کہا "مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ایک دوسرے سے تعزیت کریں۔"

ان کی قبر بغداد کے علاقے کرخ میں واقع قریش کی قبرستان میں ہے۔ ان کے قریب محمد الامین اور زبیدہ کی بھی قبر ہے اور بعد میں امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وہیں دفن کیا گیا،

ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کاظمیہ میں ہے اور لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔

ان کے صاحبزادے قاضی یوسف کی وفات ابن حبان کے مطابق رجب ۱۹۲ھ میں ہوئی، خطیب نے ان کا تذکرہ رقم کیا ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے کہا ہے کہ یوسف نے کتاب الآثار اپنے والد اور ابو حنیفہ کے حوالے سے روایت کی وہ ضخیم جلد میں ہے۔ اس کا مطبوعہ نسخہ ناقص ہے، ان کے تذکرے سے متعلق ایک نوجوان ادیب کا ایک رسالہ بغداد میں شائع ہو چکا ہے مگر مجھے وہ رسالہ نہیں مل سکا تاکہ میں اس سے استفادہ کرسکوں، ان کی ایک اچھی کوشش ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اچھا صلہ عطا فرمائے۔

ابو یوسف کون ہیں؟ امام ابو حنیفہ کے ان شاگردوں میں سے ایک ہیں جو وقت کے امام تھے، ابن حجر مکی شافعی نے کہا ''ان کے شاگرد بڑے بڑے مجتہد امام اور راسخ فی العلم تھے جن میں عبداللہ ابن مبارک، لیث بن سعد اور امام مالک بن انس سرفہرست ہیں''، بعض ائمہ کا فرمان ہے کہ مشہور ائمہ اسلام میں کسی کے اصحاب اور تلامذہ اس پایہ کے نہیں ہوئے جس طرح کے ابو حنیفہ کے اصحاب اور تلامذہ تھے اور جس طرح علما نے ابو حنیفہ سے استفادہ کیا کسی اور سے نہیں کیا۔

مجد ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا کہ عہد قدیم سے امت کا ایک حصہ انہیں کے مذہب کا پیروکار ہے۔

علی قاری نے شرح مشکوۃ میں فرمایا ''امت محمدیہ (ﷺ) کی دو تہائی اکثریت ابو حنیفہ کے مذہب کی پیروکار ہے اور اس پر دلیل بھی دی ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کردے۔

(۱۱۵) صفحہ نمبر ۵۰ کا حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔

امام ابوحنیفہ کی ابویوسف کو گرانقدر وصیت

ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے اہل سنت کے عقیدے سے متعلق کچھ مسائل روایت کیے ہیں جو ہمارے متکلم اصحاب کے درمیان متداول ہیں۔ یونہی ابویوسف کی ابوحنیفہ سے "ارجا" سے متعلق وہ روایت بھی متداول ہے جو بصرہ کے عالم عثمان بتی کے رسالے میں مذکور ہے۔ ابوحنیفہ کی ایک اور وصیت ہے جو انہوں نے ابویوسف کو اس وقت کی جب ان کے اندر پختگی آ گئی تھی، ان کے اچھے کردار ظاہر ہو گئے تھے اور لوگوں میں ان کی مقبولیت ہو گئی تھی۔ اس وصیت میں ابوحنیفہ نے ابویوسف کو بتایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا جائے۔ اس وصیت کی نص بعینہٖ موفق مکی کی مناقب ابی حنیفۃ میں، (۱۱۲) صاحب الفتاوی بزازیہ کی مناقب میں اور ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر وغیرہ میں منقول ہے۔ ان کے استاذ نے اس میں اچھے انداز اور حکیمانہ اسلوب میں لوگوں کے ساتھ معاملے کی تلقین کی ہے، اس وصیت میں علمی مراکز اور سینٹروں کے لیے ہدایت، توفیق اور تعلیم و تعلم کے راستے ہیں، مجھ سے یہ گوارہ نہیں ہوسکا کہ اتنی اہم وصیت سے اس کتاب کو خالی رکھا جائے، لہٰذا اس وصیت کو پڑھیے اور اسے اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھیے۔ امام ابوحنیفہ اس میں فرماتے ہیں:

یعقوب! بادشاہ کی قدر و منزلت کیا کرنا، اس کے سامنے جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا، علمی ضرورت کے بغیر ہر وقت اور ہر حال میں اس کے پاس مت جایا کرنا، کیوں کہ اگر تم اس کے پاس بار بار جایا کرو گے تو تمہاری قدر اس کی نگاہ میں کم ہو جائے گی، بادشاہ سے اسی طرح رہو جیسا کہ آگ سے واسطہ رہتا ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہو اور اس سے دور بھی رہتے ہو اور اگر قریب

☆ مشیخہ اسلامیہ کے سربراہ منتخب کیے گئے، ان کا انتقال ۹۴۰ھ میں ہوا (مؤلف)

ہو گئے تو تم جل جاؤ گے اور تمہیں تکلیف پہنچے گی۔ اس لیے بھی کہ بادشاہ جو کچھ اپنے لیے دیکھتا ہے اس میں وہ کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے سامنے بہت زیادہ بات کرنے سے پرہیز کرنا کیوں کہ وہ تمہاری باتوں میں سے کچھ ایسی بات نکال لے گا جس سے وہ اپنے حاشیہ نشینوں میں یہ ظاہر کرے گا کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، وہ تمہاری غلطیاں نکالے گا جس کی وجہ سے تمہاری عزت اس کے قوم کی نگاہ میں کم ہو جائے گی، جب تم اس کے پاس جاؤ تو اپنی اور دوسروں کی قدر کو سمجھا کرو، اس کے پاس ایسے وقت مت جاؤ جب کوئی ایسے اہل علم بیٹھے ہوں جن کو تم نہیں جانتے، کیوں کہ اگر تم ان سے کم مرتبہ میں ہو گے تو اس پر بڑا بننے کا خیال پیدا ہوگا جس سے تمہیں نقصان پہنچے گا اور اگر ان سے زیادہ علم تمہارے پاس ہوگا تو ممکن ہے تمہارے وقار کو ٹھیس لگ جائے جس سے تم بادشاہ کی نگاہ میں گر جاؤ۔ اگر وہ اپنے کاموں میں سے تمہیں کچھ دے تو اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے راضی ہے اور علم وقضا میں تمہارے مذہب سے راضی ہے تا کہ حکومت میں تم کسی اور کے مذہب کی اتباع کے مرتکب نہ ٹھہرو۔ بادشاہ کے دوست اور اس کے حاشیہ نشینوں کے پاس بار بار نہ جاؤ بلکہ صرف ان سے قرب کی حد تک معاملہ رکھو اور اس کے حاشیہ نشینوں سے دوری اختیار کیے رہو تا کہ تمہاری عزت و وجاہت برقرار رہے۔

لوگوں کے سامنے صرف اس قدر بات کرو جتنا تم سے پوچھا جائے۔ معاملات اور تجارت میں کلام کرنے سے پرہیز کیا کرو سوائے اس کے کہ اگر اس کا تعلق علم سے ہو تو کوئی حرج نہیں، تا کہ وہ یہ نہ سمجھ سکیں کہ تم مال کے بھوکے ہو اس سے وہ تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ تم رشوت لینے کا ارداہ رکھتے ہو اور ان پر اپنا نفوذ رکھنا چاہتے ہو۔

عام لوگوں کے سامنے نہ تو کھل کھلا کر ہنسو اور نہ ہی مسکراؤ، بازار بہت زیادہ نہ جاؤ، جو بچے نہ مراہق کو پہنچ گئے ہیں ان سے بات چیت مت کرو وہ فتنہ ہیں، اس عمر سے کم کے بچوں سے بات کرنے اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے میں کچھ حرج نہیں۔

راستے پر بڑے بوڑھوں کے ساتھ نہ چلو کیوں کہ اگر تم انہیں آگے رکھو گے تو یہ تمہارے علم کی توہین ہوگی اور اگر ان سے آگے چلو گے تو بزرگی کی وجہ سے وہ تمہیں متہم کریں گے کیوں کہ نبی

جو شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آئے جتنا پوچھے جواب اسی قدر دو اس میں کچھ اور اضافہ نہیں کرو، کیوں کہ اس سے جواب سمجھنے میں کشمکش ہو جائے گی۔

اگر دس سال تک بھی بغیر کسب و معاش رہنے کی نوبت آ گئی تو بھی علم سے دوری مت اختیار کرو کیوں کہ اگر تم اس سے دوری اختیار کروگے تو تمہاری زندگی تنگ ہو جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واضح ہے: ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا. (طٰہٰ: آیت ۱۰۰) ترجمہ: جس نے میرے ذکر سے منھ موڑا، اس کے لیے تنگ زندگی ہے۔

طالبان فقہ پر خوب توجہ دینا، ان میں ہر ایک کو اپنا عزیز اور اپنا بیٹا بنائے رکھو، تاکہ ان کی دلچسپی پڑھائی کی طرف زیادہ ہو سکے۔

اگر کوئی عام اور بازاری شخص بحث کرے تو اس سے بحث مت کرو کیوں کہ اس سے تمہاری وجاہت ختم ہو جائے گی۔

حق بیان کرنے سے کبھی اور کسی کے سامنے پیچھے نہ ہٹو اگرچہ وہ سلطان ہی کیوں نہ ہو۔

دوسروں سے زیادہ عبادت کرنے کی کوشش کرو کیوں کہ لوگ اگر تمہیں کم عبادت کرتے دیکھیں گے تو تمہارے بارے میں برا خیال کریں گے اور عبادت سے ان کی دلچسپی بھی کم ہو جائے گی اور وہ یہ سوچنے لگیں گے کہ تمہارا علم تمہیں اس قدر نفع نہیں دے سکا جس طرح کہ ان کا جہل انہیں نفع دے رہا ہے۔

جب کسی ایسے شہر میں جاؤ جہاں اہل علم موجود ہوں تو اپنی برتری کا خیال مت کرو بلکہ اپنے

(۱۲۱) مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۸

(۱۲۲) مفہوم مخالف کی مختلف قسمیں ہیں جن میں ایک قسم مفہوم صفت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ منصوص علیہ کی محکمہ صفات میں سے حکم کو کسی ایک صفت کے ساتھ خاص کر دینے سے یہ استدلال کر لیا جائے کہ اس صفت کی غیر موجودگی میں مذکورہ حکم کا وجود ہی نہیں ہوگا۔ مثلاً قول رسول ﷺ فی الغنم السائمة زکوٰة (ترجمہ: چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہے) سے یہ حکم مستنبط کر لیا جائے کہ جو بکریاں پالتو ہوں اور انہیں گھر پہ باندھ کر چارہ دیا جاتا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (ملخصا المستصفیٰ من علم الأصول ج ۲ ص ۱۹۶)

☆ امام جوینی کی البرہان میں شافعی سے لغت میں دلیل لانے پر توقف کیا ہے جب کہ محمد بن حسن کی لغت میں حجیت کا اعتراف ان سب نے کیا ہے اور ابن تیمیہ بھی اعتراف کرنے والوں میں ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ صفت کے مفہوم کا معاملہ لغت سے تعلق رکھتا ہے۔ (مؤلف)

کو انہیں میں کا ایک فرد شمار کرو، تا کہ انہیں اس بات کا یقین ہو سکے کہ تم ان کے تشخص کے لیے خطرہ نہیں، ہو، ورنہ وہ سب تمہارے مخالف ہو جائیں گے اور سب مل کر تمہارے مذہب پر طعن کریں گے۔ عام لوگ بھی ان کی حمایت میں تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور تم بغیر کسی فائدے کے ان کی نگاہ میں مطعون ہو جاؤ گے۔ اگر وہ کوئی فتویٰ پوچھیں تو جواب مت دو، ان کے ساتھ کسی بحث و مباحثے اور مناظرے میں شریک نہ ہو۔ جب بھی کوئی مسئلہ ان کے سامنے بیان کرو تو دلائل کی توضیح اچھی طرح کر دو، ان کے اساتذہ کو برا بھلا مت کہو کیوں کہ وہ تمہیں برا بھلا کہیں گے، لوگوں سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ رہو۔

اللہ کی بارگاہ میں اپنا ظاہر و باطن ایک رکھو، کامیابی اور صلاح ایسے ہی عالم کے لیے ہوتی ہے جس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔

اگر بادشاہ کسی کام کی ذمہ داری سونپے جس میں تمہارا فائدہ ہو تو اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ اگر تم قبول نہیں کرو گے تو کوئی ایسا شخص قبول کر لے گا جس سے لوگوں کو نقصان پہونچے گا اور جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے تمہارے علم کی وجہ سے تمہیں اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔

اہل دانش کی مجلس میں خوف سے کبھی بھی بات مت کرو اس سے الفاظ میں خلل اور زبان میں لکنت پیدا ہوتی ہے۔

کثرت ضحک سے پرہیز کرو، اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

عورتوں کی ہم نشینی سے احتراز کرو، اس سے بھی دل مردہ ہوتا ہے۔

چلنے میں وقار اور سکون کا اظہار کرو، کسی بھی معاملے میں جلد بازی سے کام مت لو۔

پیچھے سے اگر کوئی شخص آواز دے تو جواب مت دو کیوں کہ جانور پیچھے سے آواز دیا کرتے ہیں۔

جب بات کرو تو چیخ و پکار سے اجتناب کرو، بہت بلند آواز سے بھی بات مت کرو۔

ہر معاملے میں سنجیدگی اور وقار کا مظاہرہ کرو تا کہ لوگوں کے دلوں میں تمہاری جگہ بن جائے۔

لوگوں کے درمیان جب رہو تو اللہ کے ذکر کی کثرت کرو تا کہ وہ تم سے سیکھ سکیں۔

---

(۱۴۳) مقدمہ ابن خلدون ص ۴۲۸

ہر نماز کے بعد کچھ خاص ورد و وظیفہ اپنے لیے متعین کرلو، جس میں قرآن کی قرأت کرو، اللہ تعالی کا ذکر کرو، جو نعمتیں اس نے تمہیں عطا کی ہیں اس کا شکر بجالاؤ اور صبر کی جو دولت عطا کی اس پر سراپا سپاس رہو۔

ہر مہینے میں کچھ دن روزوں کے لیے خاص کرلو تاکہ عام لوگ تمہاری وجہ سے اس عمل کی طرف راغب ہوسکیں۔

عام لوگ جو (نفلی) عبادت کرتے ہیں ان سے الگ تھلگ عبادت کرو۔

اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو، علم کی حفاظت کرتے رہو تاکہ تمہاری دنیا اور آخرت سنور سکے۔

اپنے نفس کو نہ بیچو اور نہ ہی خریدو بلکہ اسے اپنا مصلح غلام بنالو، جو تمہاری خدمت کا کام انجام دے، تم اپنے معاملات میں اس پر اعتماد کرو۔

اپنی دنیا اور جس چیز میں تم ہو اس سے آسودہ نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالی تم سے ان سب باتوں کی پرسش کرے گا۔ امرد غلام مت خریدو۔ بادشاہ کا قرب مت اختیار کرو، اگر ان کا قرب اختیار کروگے تو وہ اپنی ضرورت پیش کریں گے اگر اسے پوری کروگے تو وہ تمہاری توہین کریں گے اور اگر اس سے برگشتہ ہوگے تو عیب دار ٹھہرائیں گے۔

غلطیوں میں لوگوں کی پیروی مت کرو، ہاں اچھائیوں میں ان کی پیروی ضرور کرو۔

اگر کسی انسان کی برائی کا تمہیں علم ہو جائے تو اس کا ذکر نہ کرو بلکہ اسے اچھی بات بتاؤ، تاہم اگر اس کے اندر کوئی دینی کمزوری ہو تو لوگوں کو اس لیے بتاؤ کہ وہ اس کی پیروی سے پرہیز

☆ یہ ساری باتیں روشن دلائل کے ساتھ واضح ہو چکی ہیں، محض تقلید اور اتباع میں یہ بات نہیں کی جارہی ہے۔ (مؤلف)

(۱۲۴) مرسل: کسی ثقہ راوی کا سند کا بعض حصہ حذف کرکے یہ کہنا: قال رسول اللہ ﷺ
مرسل احناف کے نزدیک حجت ہے امام شافعی اور بعض دیگر علما اس کی حجیت سے انکار کرتے ہیں۔

استصحاب حال: استصحاب کا معنی لغت میں کسی چیز کی صحبت اور ملازمت اختیار کرنا ہے (قاموس) اصطلاح میں استبقاء حکم ثبت في الزمن الماضي للزمن الحاضر والمستقبل ما لم يطرأ الحدث عليه۔ ماضی میں حاضر یا مستقبل کے لیے جو حکم ثابت ہو چکا ہو اس کو اپنے حال پر اس وقت تک برقرار رکھنا جب تک کوئی نیا حکم ثابت نہ ہو جائے۔ (موسوعة الفقه الاسلامي: بحث استصحاب) احناف اور متکلمین کے نزدیک استصحاب حال حجت نہیں (مرجع سابق)

مصالح مرسلہ: المصلحة المرسلة هي التي لم يشهد لها أصل بالاعتبار ولا بالالغاء ولا بنص ولا باجماع ولا يترتب الحكم على وفقه۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کریں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”بے دین شخص کی بے دینی کا چرچا کرو تا کہ لوگ اسے جان لیں اور اس سے پرہیز کریں“ (۱۱۴)۔ معاشرے کا کوئی اہم فرد بھی بے دین ہو تو اس کے جاہ و مرتبے کا خوف کیے بغیر اس کا اظہار کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا اور دین کا ناصر و مددگار ہے، اگر تم نے ایک بار ایسا کردیا تو وہ تم سے خوف کھایا کریں گے اور پھر کوئی بھی دین میں بدعت کی ایجاد کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

اگر تم اپنے بادشاہ میں کوئی ایسی چیز دیکھو جو علم کے خلاف ہو تو اس کی فرماں برداری کے اندر رہتے ہوئے اس کا ذکر کرو، کیوں کہ اس کا نفوذ تم سے زیادہ ہے اور اس سے کہو آپ نے جو کچھ مجھ پر مسلط کیا میں اس کا مطیع اور فرماں بردار ہوں، مگر آپ کی کچھ ایسی عادتیں ہیں جو علم کے موافق نہیں۔ بادشاہ کے ساتھ ایک مرتبہ ہی اس طرح کی نصیحت کافی ہے، کیوں کہ اگر تم بار بار اس طرح کی نصیحت کی کوشش کرو گے تو وہ تمہارا صفایا کرنے کی فکر میں رہے گا اور یہ حقیقت میں دین پر حملہ ہوگا۔ ایسا صرف ایک یا دو بار کرو تا کہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارے دل میں دین کی تڑپ اور امر بالمعروف کی فکر ہے۔ جب دوسری بار کرے تو تنہائی میں اس کے گھر جاؤ اور دین کے بارے میں نصیحت کرو اور اگر مبتدع ہو تو مناظرہ کرو۔ اگر وہ بادشاہ ہو تو کتاب اللہ اور سنت رسول کے حوالے سے اسے سمجھاؤ اگر وہ اسے تسلیم کر لیتا ہے تب تو کوئی بات نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔

موت کو یاد کیا کرو، اپنے اساتذہ اور جن لوگوں سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کرو، قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، زیارت قبور کی کثرت کے ساتھ ساتھ مشائخ اور مقدس مقامات کی زیارت بھی کثرت کے ساتھ اپنے معمولات میں رکھو۔

عام لوگ اگر خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں کچھ کہیں تو قبول کرو، یوں ہی خواب میں نیک لوگوں کی زیارت سے متعلق یہ پوچھیں کہ انہوں نے انہیں مسجدوں میں، مقدس مقامات پر اور مقبروں میں دیکھا ہے تو اس کو تسلیم کرو۔

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) (مختصر ابن الحاجب ج ۲/ص ۲۸۹، الاحکام ج ۲۱۵/۱، روضۃ الناظر ص ۸۶) مصالح مرسلہ ایسا قانون ہے جس کے اعتبار یا عدم اعتبار کی کوئی اصل نص اور اجماع کہیں بھی موجود نہ ہو اور اس کی موافقت سے کسی حکم کا ترتب بھی نہ ہو۔ یہ احناف کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

کسی بدعتی کی صحبت اختیار نہ کرو، ہاں دعوت وتبلیغ کی محفل میں ضرور شریک رہا کرو۔لعن طعن اور گالی گلوچ سے پرہیز کرو۔ موذن اذان دے تو مسجد آنے کے لیے تیار رہو تاکہ عام لوگ تم سے پہلے مسجد نہ پہنچ سکیں۔ بادشاہ کے پڑوس میں اپنا گھر نہ بناؤ، پڑوسیوں کی کسی بات پر نظر پڑ جائے تو اس پر پردہ ڈال دو کیوں کہ وہ تمہاری امانت ہے۔لوگوں کا راز افشا نہ کرو۔کوئی کسی چیز میں مشورہ طلب کرے تو اس سے متعلق جو کچھ بھی علم ہے اس کی روشنی میں مشورہ دو کیوں کہ یہ قربت الٰہی کا ذریعہ ہے۔

میری اس وصیت کو قبول کرو ان شاء اللہ تمہیں دنیا اور آخرت میں نفع پہنچے گا۔

بخالت سے بچنے کی کوشش کرو کیوں کہ اس میں آدمی کی رسوائی ہوتی ہے۔ لالچی، اور جھوٹے مت بنو۔ عام آدمی کو اپنا ہم نشیں مت بناؤ اور اپنی شرافت اور مروت کا خیال کرو۔ ہر وقت سفید لباس استعمال کیا کرو۔ دلی طور پر بے نیازی کا اظہار کرو اور یہ بھی اظہار کرو کہ تمہیں دنیا کا نہ تو کوئی لالچ ہے اور نہ ہی کوئی ہوس۔ محتاجی کے وقت بھی غنا کا اظہار کرو فقر کا نہیں۔ حوصلہ مند رہا کرو کیوں کہ جس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے اس کی منزل بھی کم ہو جاتی ہے۔ جب راستے پر چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ زمین پر نگاہ رکھو۔

حجامت بنوانے جاؤ تو عام لوگوں سے زیادہ اس کی اجرت ادا کرو اس سے تمہاری مروت کا پتہ چل سکے گا اور لوگ تمہاری تعظیم کریں گے۔ کپڑا بننے والے کو اور یوں ہی کسی بھی کاریگر کو اپنا سامان مت دو بلکہ خود اس کام کو کر کے اپنے میں خود اعتمادی پیدا کرو۔

غلوں اور کوڑیوں میں مول بھاؤ مت کرو اور درہم کا اندازہ خود مت لگاؤ بلکہ دوسروں پر اس سلسلے میں اعتماد کرو۔ دنیا کو حقیر سمجھو کیوں کہ وہ اہل علم کے نزدیک بے قدر و قیمت ہے اس لیے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ اپنے کام کا ذمہ دار دوسروں کو بنا دو تاکہ علم کے لیے تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے اور یہ تمہاری قدر و منزلت کے لیے اچھا ہے۔ پاگلوں اور ان اہل علم سے جنہیں فن مناظرہ کا علم نہیں اور نہ ہی دلائل کا پتہ ہے، بات مت کرو، جو لوگ خود پسندی کے خوگر ہیں اور لوگوں کے مابین مسائل چھیڑتے ہیں اس سے ان کا مقصد تمہاری رسوائی ہے، انہیں تمہاری کچھ بھی پروا نہیں اگرچہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم حق پر ہو۔

بڑے لوگوں کی مجلس میں جاؤ تو اپنے کو اس وقت تک بڑا مت سمجھو جب تک کہ وہ تمہیں بڑا

نہ سمجھیں تاکہ انہیں تمہاری عادت سے تکلیف نہ ہو جائے۔

جب لوگوں کے پاس جاؤ اور نماز کا وقت ہو جائے تو تعظیماً امامت کے لیے اس وقت تک آگے نہ بڑھو جب تک تمہیں وہ خود آگے نہ بڑھائیں۔ دوپہر یا صبح کے وقت نہایا کرو۔ سیرابی چشم کی غرض سے باہر نہ جاؤ۔ بادشاہ کسی پر ظلم کر رہا ہو تو اس وقت تک وہاں مت جاؤ جب تک تمہیں یہ یقین نہ ہو کہ اگر تم حق گوئی سے کام لوگے تو وہ تمہاری حق گوئی کا احترام کرے گا۔ کیوں کہ اگر وہ تمہاری موجودگی میں غیر شرعی کام کرے گا تو ممکن ہے کہ تم اسے منع کرنے کی صلاحیت نہ رکھ سکو اور تمہاری خاموشی کی وجہ سے لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ اس کا عمل صحیح اور حق ہے۔

علمی مجلس میں کبھی بھی غصے کا اظہار مت کرو۔ عام لوگوں کے درمیان قصہ گوئی سے پرہیز کرو کیوں کہ قصہ گو کا جھوٹا ہونا بدیہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی اہل علم کے لیے علمی مجلس قائم کرو تو اگر وہ فقہی مجلس ہے تو خود اس میں شریک ہو اور جو کچھ تمہارے پاس علم ہے اس کا بیان کر دو، تاکہ تمہاری شرکت کی وجہ سے لوگوں کو دھوکہ نہ ہو جائے اور اس سے زیادہ سوچنا شروع کر دیں جس کے وہ اہل نہیں۔ اگر وہ علمی شخصیت فتویٰ کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس کے مسائل کا بیان کرو، ورنہ ان کے ساتھ اس لیے نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے سامنے درس دیں بلکہ ان کے پاس اپنے کسی معتمد اصحاب کو بھیج دو جو تمہیں ان کے مبلغ علم اور طریق کلام کی اطلاع دیتے رہیں۔

مجلس ذکر و وعظ میں اس لیے شریک نہ ہو کہ وہ پہلے سے ہی تمہاری نیک نیتی اور قدر و منزلت کے معترف ہیں بلکہ عام لوگوں میں سے یا اپنے علاقے کے لوگوں میں سے کسی ایک کو اپنے اصحاب کے ساتھ اس کام کی ذمہ داری سونپ دو۔

☆ مرجانی نے ابوبکر رازی کا بڑا عمدہ دفاع کیا ہے۔ یقیناً اجتہاد میں انہیں بڑی مہارت تھی، حدیث اور رجال پر ان کی گہری نگاہ تھی، احادیث کا بڑا ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ تھا بلکہ سنن ابی داؤد کی حدیث جو مجتہد کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے ان کے نوک زبان پر تھی۔ ان کی کتاب احکام القرآن، شرح جامع کبیر، مختصر طحاوی، مختصر کرخی، مختصر اختلاف العلما، شرح ادب القضا لخصاف ہماری باتوں پر شاہد عدل ہیں۔ قضا سے متعلق ابوبکر ابہری مالکی کے ساتھ ان کا واقعہ ان کے علم اور زہد و ورع کا آئینہ دار ہے۔ اصول میں ان کی کتاب کی مثال متاخرین تو دور کی بات متقدمین کے یہاں بھی نہیں ملتی۔ ان تمام خوبیوں کے بعد جو شخص ان سے سینگ ماری کرنا چاہتا ہے اسے اپنے سر کی خبر لینی چاہیے۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بعض لوگوں کی نگاہ میں ان کی کچھ بے تکی رائے بھی ہو یا مجاہد کے شذوذ کی طرح کچھ شاذ اقوال بھی ہوں۔ (مؤلف)

نکاح کے خطبے کی ذمہ داری اپنے علاقہ کے خطیب کے حوالے کردو یوں ہی جنازہ اور عیدین کی ذمہ داری بھی انہیں کے سپرد کردو۔

اپنی نیک دعاؤں میں مجھے مت بھولنا، میری ان نصیحتوں کو یاد رکھنا، مَیں نے صرف اس لیے تمہیں یہ نصیحت اور وصیت کی ہے کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے اور تمام مسلمانوں کا فائدہ ہے۔''

یہ ایسی جامع وصیت ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے اور جس میں آخرت کی اصلاح بھی ہے اور ایک عالم دین کی اپنے شاگرد کو سب سے اچھی وصیت ہے، اس کی شہرت وافادیت کی وجہ سے مَیں نے اپنی کتاب کو اس سے خالی رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

طبقات فقہا سے متعلق ابن کمال پر شہاب مرجانی کی تعقیب

گذشتہ صفحات میں ہم نے حاشیے (۱۱۵) پر طبقات فقہا سے متعلق وزیر ابن کمال کے رسالے کی عبارت ذکر کی ہے اور اصل کتاب میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کتاب کے آخر میں اس پر مرجانی کے تعقبات کا ذکر کریں گے جس میں بے شمار فائدے ہیں، لہٰذا اب اس مقام پر میں اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں تاکہ محققین اسے دیکھ سکیں۔ شہاب مرجانی اپنی کتاب ناظورۃ الحق میں لکھتے ہیں:

جان لو کہ مجتہد کی دو قسمیں ہیں اول مجتہد مطلق جس کو فقہ میں پورا ملکہ حاصل ہو، اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور بصیرت کا مالک ہو اور ساتھ ساتھ دلائل کی روشنی میں مستقل استنباط پر قادر ہو۔ اس کی مثال ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد، زفر، مالک، شافعی، احمد، ثوری اور اوزاعی ہیں۔

دوم مجتہد فی المذہب علما نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ''ایسا شخص جو اپنے امام کے اصول اور دلائل پر قائم ہو اور ان کے نصوص کو اصول شمار کرتا ہو جس کی روشنی میں فروع کا استنباط کرتا ہو اور اس پر احکام کی تطبیق دیتا ہو جس طرح کہ وہ نصوص شرع کے ساتھ اس وقت کرتا ہے جب کہ دلائل کی روشنی میں کسی مسئلے کے استنباط پر قادر نہ ہو''۔

دوسری قسم کے علما اگرچہ اجتہاد مطلق کے درجے پر فائز نہیں اور فقہی قصور کی وجہ سے اول سے کم درجے کے ہیں تاہم ان کا شمار مقلدین میں نہیں ہے، بلکہ وہ اصحاب نظر، اہل فکر و دانش اور اصول میں قوت بصیرت کے مالک ہوتے ہیں اور فقہ میں انہیں کامل دسترس اور تجربہ ہوتا ہے۔ علم میں ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، فقہی میدان میں انہیں بڑی مہارت ہوتی ہے اور فکری اعتبار سے ان کا کوئی مساوی نہیں ہوتا ہے۔ یوں ہی جرح و تعدیل پر انہیں کامل دسترس ہوتی ہے، صحیح اور

ضعیف کی تفریق میں پورا درک رکھتے ہیں، مذہب کے مسائل پوری طرح انہیں یاد ہوتے ہیں، مذہب پر اعتراض کا اچھی طرح رد کرتے ہیں، مسائل کو مخلص انداز میں نہایت آسان اسلوب میں پیش کرتے ہیں، دلائل کی تفصیل میں بھی انہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے، اپنے موقف کے اثبات اور اس کے خلاف شبہات کو رد کرنے میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں، ان کے اندر فتویٰ دینے کی صلاحیت ہوتی ہے اور تخریج پر پوری قدرت بھی۔

اس طبقے کے بعد کا طبقہ علمی اعتبار سے مختلف درجات پر فائز ہوتا ہے، روایت میں صحت و ضعف پرکھنے کے اعتبار سے بھی ان کے درمیان فرق ہوتا ہے، فقہ اور درایت میں بھی کوئی درجہ کمال پر ہوتا ہے تو کسی میں واضح کمی موجود ہوتی ہے۔ احمد بن سلیمان رومی معروف بہ ابن کمال جو سلطنت عثمانیہ کے ایک مشہور فاضل ہیں☆ نے اصحاب فقہ کے چھ درجے گنائے ہیں:

اول: مجتہد فی الشرع مثلاً ائمہ اربعہ اور ان کے طریقے پر کاربند رہنے والے، یعنی جنہوں نے اصولی قواعد کی بنیاد ڈالی، ادلۂ اربعہ کی روشنی میں احکام کا استنباط کیا، اور اصول وفروع میں کسی کی بھی تقلید نہیں کی۔

دوم: مجتہد فی المذہب مثلاً امام ابوحنیفہ کے تینوں اصحاب اور جن لوگوں نے احکام کے استخراج میں ان کے طریقے کو انہیں کے قواعد کی روشنی میں (جن کو ان کے اساتذہ اور مشائخ نے رائج کیا تھا) اختیار کیا۔ یہ لوگ اگرچہ بعض احکام میں اپنے امام کی مخالفت کرتے ہیں مگر بنیادی قواعد میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ اپنے مخالفین سے اصول وفروع میں ممتاز ہوتے ہیں۔

سوم: مجتہد فی المسائل مثلاً خصاف، طحاوی، کرخی، شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں اور ان کے امثال، جو اصول اور فروع کسی میں بھی اختلاف کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ ان احکام کا استنباط کرتے ہیں جن میں مجتہد فی الشرع سے کوئی نص موجود نہیں، مسائل کے استنباط میں اپنے امام کے قواعد کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

چہارم: وہ مقلد جو اجتہاد پر بالکل قادر نہیں ہوتے ہیں مگر اصول اور ماخذ کا کامل احاطہ کرنے کی وجہ سے کسی مجتہد سے منقول مجمل اور احتمالی اقوال کی تفصیل پر انہیں قدرت ہوتی ہے اور یہ

لوگ اصحاب تخریج ہیں مثلاً رازی اوران کے امثال۔

پنجم: اصحاب ترجیح مثلاً ابو حسین قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔ یہ لوگ ایک روایت کو دوسری روایت پر فوقیت دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اوراس کے لیے ''یہ اصح روایت ہے''، ''یہ قیاس کے زیادہ موافق ہے'' اور ''لوگوں کے لیے اس میں زیادہ نرمی ہے'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

ششم: مقلد جواقویٰ اورقوی وضعیف، ظاہر مذہب اور ظاہر روایت وغیرہ میں فرق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، مثلاً صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

ہفتم: مقلد جو مذکورہ چیزوں میں سے کسی پر قدرت نہ رکھتا ہو، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کی صلاحیت بھی نہ ہو، دائیں اور بائیں میں فرق کی صلاحیت کا بھی مالک نہ ہو بلکہ حاطب لیل کی طرح سب کچھ اکٹھا کرتا چلا جاتا ہو، اس طبقے کے لیے اور جو ان کی پیروی کرے ان کے لیے پوری تباہی اور بربادی ہے۔

ابن کمال نے ان تقسیمات کا ذکر کیا ہے اور تمیمی نے اپنے طبقات میں حرف بحرف اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ''یہ بہت اچھی تقسیم ہے''۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس تقسیم کا بہت اچھا ہونا تو دور کی بات ہے صحت سے بھی اسے دور کا واسطہ نہیں، کیوں کہ اس میں زبردستی کی کھینچ تان موجود ہے اور بے تکے اقوال سے پُر ہے اور ایسے ایسے الفاظ وکلمات ہیں جس کا نہ تو کچھ معنیٰ ہے اور نہ ہی کوئی مفہوم، ان سے پہلے بھی کسی نے اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اس دعوے کی اب کوئی گنجائش ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں آنے والے کچھ لوگوں نے بغیر دلیل کے ان کی اتباع کر لی ہے، ہم فقہا کے ان سات مراتب سے متعلق جتنا بھی نرم رویہ اختیار کرلیں اس کے باوجود وہ اس بات سے جان نہیں چھڑا سکتے کہ رجال طبقات کی درجہ بندی میں ان سے زبردست غلطی اور واضح چوک

(۱۲۵) مقدمہ صحیح مسلم ج ۶/۱، المسند المستخرج علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۹، حدیث نمبر ۵۶، ۵۷

☆ استاذ مرجانی نے مختصر طحاوی، مختصر کرخی، مختصر حاکم شہید اور مختصر قدوری جیسی کتابوں کا شمار مذہب کے معتبر متون میں کیا ہے، مذہب کی کتابوں کی درجہ بندی میں بھی بڑا توسع دکھایا ہے اور بہت اچھے افادے ذکر کیے ہیں، اس میں بھی ابن کمال سے مخالفت کی ہے، کاش شہاب مرجانی کی کتاب دوبارہ طبع ہو کر منظر عام پر آسکتی کیوں کہ اس میں بڑی نادر تحقیقات ہیں۔ (مؤلف)

ہوئی ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ ان کے اس قول کا کیا معنی ہے کہ ابو یوسف، محمد، اور زفر اگر چہ احکام میں ابو حنیفہ کی مخالفت کرتے ہیں تاہم اصول میں ان ہی کی تقلید کرتے ہیں؟ اصول سے ان کی مراد کیا ہے؟ اگر اس سے ان کی مراد وہ اجمالی احکام ہیں جن سے اصول فقہ کی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ عقلی قواعد ہیں، دلائل کی روشنی میں ان کی ترتیب دی گئی ہے، اصحاب عقل وفکر اور صاحب نظر کو اس کا علم بغیر کسی دشواری کے ہوسکتا ہے خواہ وہ مجتہد ہو یا نہیں، ان احکام کا اجتہاد سے بالکل تعلق نہیں۔ ان تینوں اماموں کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے جیسا کہ لوگوں کے ان کی تقلید سے ظاہر ہے۔ حاشا ثم حاشا کہ ان ائمہ کے اندر اس طرح کی کوئی کمی ہو، فقہ میں اگر ان کا درجہ مالک، شافعی اور ان کے امثال سے بڑھ کر نہیں تو یہ بھی مسلم ہے کہ ان سے کچھ کم بھی نہیں۔ مخالف اور موافق کی زبان پر یہ مثل ہر وقت رہتی ہے کہ "ابو حنیفہ ابو یوسف ہیں" اس کا معنی یہ ہے کہ ابو یوسف جو فقہ میں منتہی درجہ پر فائز ہیں ابو حنیفہ بھی شان فقاہت میں اعلی اور منتہی درجے کے حامل ہیں اور یہ بھی قول زبان زد عام ہے "ابو یوسف ابو حنیفہ ہیں" یعنی ابو یوسف فقہ کے اتنے اعلی درجے پر فائز ہیں کہ ان میں کسی بھی طرح کی کوئی کمی باقی نہیں ہے۔ دونوں ہی جملوں میں قصر افرادی (۱۱۶) ہے۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ طلحہ بن محمد بن جعفر نے کہا کہ ابو یوسف کا معاملہ بڑا مشہور ہے، ان کی فضیلت ظاہر و باہر ہے، اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانے میں کوئی بھی ان سے آگے نہیں بڑھ سکا، وہ علم وحکمت، سرداری اور بزرگی کی انتہا پر تھے، مذہب حنفی کے مطابق اصول فقہ میں کتاب سب سے پہلے انہوں نے ہی ترتیب دی، مسائل املا کروائے، ان کے پھیلانے کا اہتمام کیا اور ابو حنیفہ کے علم کو روئے زمین کے تمام گوشوں تک پھیلا دیا۔ (۱۱۷)

محمد بن حسن نے کہا کہ ایک مرتبہ ابو یوسف کی بہت زیادہ طبیعت خراب ہوگئی، اندیشہ لاحق ہوگیا تو ابو حنیفہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، جب لوٹے تو باہر آکر کہا اگر یہ نوجوان اس دنیا سے چلا جائے تو زمین کا سب سے بڑا عالم رخصت ہو جائے گا۔ (۱۱۸)

یوں ہی محمد بن حسن کا معاملہ ہے کہ امام شافعی نے ان کی تعریف وتوصیف بہت بڑھ چڑھ کر کی ہے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ شافعی نے انہیں خط لکھا اور ان سے کچھ کتابیں طلب کیں

توانہیں بھیجنے میں تاخیر ہوئی، شافعی نے لکھا:

قل للذی لم ترعی ... ن من رآہ مثلہ
حتی کأن من رأ ... ہ قد رأی من قبلہ
العلم ینہی أہلہ ... أن یمنعوہ أہلہ
لعلہ یبذلہ ... لأہلہ لعلہ (۱۱۹)

(ترجمہ: وہ یعنی امام محمد تو ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ کسی آنکھ نے ان کی طرح تو دور کی بات اس آنکھ کو بھی نہیں دیکھا جس نے ان کی طرح کسی کو دیکھا ہو، وہ تو سلف کی حسین یادگار اور علم وعرفان کا خزانہ ہیں اور ایک عالم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے عالم کو علم کی نشر واشاعت سے باز رکھے)

اس خط کے پاتے ہی محمد بن حسن نے انہیں کتاب بھیج دی۔

ابراہیم حربی نے کہا احمد بن حنبل سے میں نے کہا کہ اتنے دقیق اور باریک مسائل آپ نے کہاں سے سیکھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ محمد بن حسن کی کتابوں سے۔ (۱۲۰)

حسن بن ابو مالک نے کہا اتنی باریک بینی (جس قدر کہ امام محمد میں تھی) ابو یوسف کے اندر بھی نہیں تھی۔ عیسیٰ بن آبان نے کہا کہ وہ ابو یوسف سے بڑے فقیہ تھے۔

عبدالرحمٰن بن خلدون مالکی نے اپنے مقدمے میں لکھا کہ شافعی عراق گئے، امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے ملاقات کی، ان سے اخذ علم کیا، حجازی اور عراقی طریقہ ملا کر ایک خاص مذہب بنالیا۔ (۱۲۱) یوں ہی احمد بن حنبل نے علم حدیث میں مہارت ہونے کے باوجود ابوحنیفہ کے اصحاب سے اخذ علم کیا اور ایک خاص مذہب کی بنیاد رکھی۔

آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب بعض شوافع نے صفت کے مفہوم کو اس کی نفی (۱۲۲) پر ترجیح دی اور اس کی بنیاد اس بات کو بنایا کہ شافعی اپنی فطرت، فہم سلیم، اور علم کثیر کی وجہ سے اس کے قائل ہیں، ان سے بسند صحیح یہ منقول بھی ہے اور ان کے پیروکار بھی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ابن ہمام اور دیگر علما نے یہ کہہ کر اس کا رد کیا کہ محمد بن حسن ان ساری خوبیوں کے مالک ہیں، ان

(۱۲۶) توحید شہودی: تصوف کا ایک بڑا نظریہ "وحدۃ الشہود" ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کی علمی برتری بھی مسلم ہے اور شافعی سے زمانے کے اعتبار سے مقدم بھی ہیں، لہٰذا انہوں نے ہی صفت کے مفہوم☆ کی نفی کا قول کیا ہے۔

زفر کے بارے میں امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ یہ مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام ہیں اور میرے اصحاب میں سب سے زیادہ دانشمند (قیاسی) ہیں۔ مزنی نے کہا کہ وہ ان میں (احناف میں) ایک بڑے دانش مند (قیاسی) ہیں۔

ان ائمہ ثلاثہ کی علی الاطلاق اجتہادی شان اجاگر کرنے کے لیے اسی قدر شہادت کافی ہے۔ ان میں ہر ایک کا اپنا خاص اصول ہے جن میں وہ ابو حنیفہ سے الگ تھلگ ہیں اور اسی بنیاد پر ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ کی اصل دلائل کا متعارض ہونا ہے جب کہ ابو یوسف اور محمد کے نزدیک ائمہ کا اختلاف اس کی اصل ہے۔ غزالی نے

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) وحدت کا معنی یکتا، اکیلا، منفرد وغیرہ ہے۔ یہ سالک کی ایک کیفیت سے عبارت ہے، سالک جب ریاضت کی بلندیوں پر فائز ہوتا ہے اور روحانی سفر کے مختلف درجات طے کر لیتا ہے تو اس پر مشاہدہ حق کا انکشاف ہوتا ہے، اس نظریے کے مطابق وجود کی دو قسمیں ہیں ایک وجود ذات الٰہی ہے جو حقیقی وجود ہے اور دوسرا وجود مخلوق کا جو اس حقیقی وجود کا ظل اور پرتو ہے، اس نظریے کے بانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی ہیں۔ ''توحید شہودی'' سے اسی جانب اشارہ ہے۔

☆ شیخ ابو طاہر کا کلام کتاب الام میں امام شافعی کے عقیدے سے متعلق اور اس کے بعد تنبیہ میں جو کچھ ہے اس سے ان کے عقیدے کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ ان کی کتاب جلاء الغیوم فی رؤیۃ المعدوم کی روشنی میں آپ ان کے فلسفیانہ موقف کو سمجھ سکتے ہیں۔ جو ان جیسوں کی اتباع کرے گا بدیہی طور پر اس کی فکر مضطرب ہو ہی جائے گی اگرچہ بعد میں ان کی کتاب قصد السبیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتدال پسندی ان میں آ گئی تھی (مؤلف)

(۱۲۷) توحید وجودی سے اشارہ تصوف کے نظریہ ''وحدۃ الوجود'' کی طرف ہے۔ لفظ ''وحدت'' کا معنی عربی لغت میں، ایک، اکیلا، یکتا، الگ تھلگ ہے۔ اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دنیا جس میں ہم سانس لیتے، چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ہیں کا کوئی اپنا ذاتی اور حقیقی وجود نہیں، کائنات عالم کی تمام چیزوں کا وجود ممکن ہے اور ان ممکنات سے ایک واجب الوجود کا پتہ ملتا ہے، جو حقیقی وجود ہے، اور مرجع خیر اور مفیض کائنات ہے۔ یہ حقیقی وجود اللہ جل شانہ کا ہے، کیوں کہ وہی ابتدا سے بغیر کسی کے پیدا کرنے اور وجود میں لانے سے بذات خود موجود ہے، کسی اور وجود کی یہاں ضرورت نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے گا جو باطل ہے، کائنات عالم کی جتنی بھی چیزیں ہیں اسی حقیقی وجود کے علم اور ارادے کی مظہر ہیں اور اسی حقیقی وجود سے ان کی زندگی اور ان کا وجود ہے، اس لیے اس ممکنات کا وجود بالعرض اور بالتبع ہوگا۔ یوں ہی اس موجود حقیقی کے علاوہ دوسرے تمام موجودات پر وجود کا اطلاق بطور مجاز ہے۔ (ڈاکٹر عبد الحمید مدکور، الفلسفۃ الاسلامیۃ منہج وتطبیق ج ۱/۵۶، ۵۷، مطبوعہ دار المعارف، قاہرہ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تو یہاں تک کہا کہ ان دونوں (ابو یوسف اور محمد) نے ابو حنیفہ کے مذہب کی دو تہائی مخالفت کی ہے۔نووی نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء و اللغات میں ابو معالی جوینی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مزنی نے جو بھی قول اختیار کیا میرے خیال میں ان سب کی حیثیت تخریج کی ہے اور مذہب سے ہی ملحق ہے کیوں کہ وہ ابو یوسف اور محمد کی طرح شافعی کے اقوال کی مخالفت نہیں کرتے کیوں کہ ان دونوں نے تو اصول میں اپنے امام کی مخالفت کی ہے۔

امام ابو جعفر ابن جریر نے تو احمد بن حنبل کا شمار فقہا میں کیا ہی نہیں اور یہ کہا کہ وہ حافظ حدیث سے مشہور ہیں۔ابن خلدون نے کہا کہ احمد بن حنبل کے مقلد بہت کم ہیں کیوں کہ ان کا مذہب اجتہاد سے کافی دور ہے، احناف اہل فکر ونظر ہیں اور مالکیہ اہل نظر نہیں۔ (۱۲۳)

ذرا غور کیجیے کہ مذکورہ ائمہ کے بارے میں علما کا یہ خیال ہونے کے باوجود وہ مجتہد فی الشرع ہیں اور ابو یوسف، محمد اور زفر رحمہم اللہ تعالیٰ میدان فقہ کے مطلقاً شہسوار اور فکر ونظر کے بادشاہ ہونے کے باوجود مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق نہ ہوں، ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے استاذ کا حد درجہ احترام کرنے کی وجہ سے ان کی عظمت کا چرچا شروع کر دیا، ان کی تائید میں دلائل ذکر کرنے لگے، ان کے اقوال سے استناد شروع کر دیا، ان کی روایتوں کی تشہیر شروع کر دی، اس کو نقل کرنے لگے، پیش آمدہ مسائل کا حل اور ان پر فتویٰ امام کے قول کی روشنی میں دینے لگے، اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے امام کے اصول وفروع کی تحقیق وتدقیق، ابواب اور فصلوں کی تعیین، ٹھوس قواعد سے اس کی تمہید، مضبوط قیاس جن سے احکام کا استفادہ کیا جا سکے، صحیح قوانین کا استنباط اور ضعیف کلام کے لیے ایسے زبردست طریقوں کا انتخاب جن سے معانی کی پہچان ہو سکے، کے لیے

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) ''وحدۃ الوجود'' کا نظریہ بارہویں صدی عیسوی میں اسپین اور مشرقی ممالک میں متعارف ہوا۔ شیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کو اس نظریے کا روح رواں اور بانی سمجھا جاتا ہے۔اسی طرح جلال الدین رومی بھی اس کے ایک بڑے مؤید ہیں۔ وحدۃ الوجود کا نظریہ ابتدا سے ہی علمائے اسلام کے درمیان زیر بحث ہے۔ کچھ لوگ اس بنیاد پر اس کی تردید کرتے ہیں کہ یہ توحید حقیقی کے مخالف ہے اور علما کی ایک دوسری جماعت ہمیشہ سے اس کی تائید اور تشریح کرتی آئی ہے، ان کا ماننا ہے کہ اس سے توحید پر کوئی آنچ نہیں آتی بلکہ یہی حقیقی توحید ہے۔میرے نزدیک بھی یہی صحیح اور سالم مسلک ہے۔ اس بحث کی مزید تحقیق کے لیے دیکھیے مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کا مقالہ ''کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟'' مشمولہ تحقیق وتفہیم از ص ۲۰۴ تا ص ۲۳۰، ادارۂ فکر اسلامی دہلی ۲۰۰۹ء)

وقف کر دیا اور ان دلائل کا استعمال امام کے مذہب کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کیا اور اس شخص کے لیے اس کی توضیح بھی کی، جو اس اعتقاد کے ساتھ اس سے تمسک کرنا چاہتا ہے کہ وہ سب سے بڑے عالم، متقی اور قابل تقلید ہیں، انہیں کے قول سے دلیل لانا زیادہ پسندیدہ ہے، انہیں کا مذہب مفتی کے لیے معتمد اور ابن کدام کے مطابق مستفتی کے لیے ارفق ہے۔ ☆

مسعر بن کدام کہتے ہیں کہ جو شخص ابوحنیفہ کو اپنے اور خدا کے درمیان رکھے تو میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں اور اس احتیاط میں اسے اپنے نفس پر جفا کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

ابوحنیفہ فقہ میں اس مقام پر فائز تھے جہاں کسی کی پہنچ نہیں ہو سکتی، اس کی شہادت ان کے اپنوں بالخصوص امام مالک اور امام شافعی نے دی۔ اسی وجہ سے مخالفین مثلاً ائمہ ثلاثہ اور امام اوزاعی، امام سفیان اور ان کے امثال سے ممتاز ہو گئے۔ ایسا انہوں نے اس لیے نہیں کیا کہ وہ اجتہاد مطلق کے درجہ پا فائز نہیں تھے۔ اگر یہ (ابو یوسف، محمد، زفر) اپنی رائے کی ترویج و اشاعت میں لگ جاتے اور اس کی تائید میں نص اور قیاس سے دلیل لاتے تو ان میں سے ہر ایک کا مذہب امام ابوحنیفہ کے مذہب سے الگ اور اسکے مخالف ہوتا۔

اگر اصول سے ان (ابن کمال) کی مراد ادلۂ اربعہ اور کتاب، سنت، اجماع، قیاس کے شرعی اصول اس طور پر ہیں کہ ان سے استدلال اور ان سے استنباط کیا جائے تو اس کا راستہ ہی مسدود ہے، کیوں کہ احکام کے استخراج اور استنباط میں شریعت کے اصول ہی تمام ائمہ کا ماخذ ہیں لہٰذا اس میں کسی دوسرے امام سے ابو یوسف کی مخالفت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابو یوسف اور ان کے اصحاب (محمد، زفر) اقوال صحابہ اور مراسیل کی حجیت، استصحاب اور مصالح مرسلہ (۱۲۴) کی عدم حجیت سے متعلق ابوحنیفہ کے نظریات کے مؤید اور ان

(۱۲۸) العالم المثالی: افلاطون کا ماننا ہے کہ یہ دنیا جہاں ہم زندگی گزارتے ہیں یا یہ عالم جو ہمارے سامنے موجود ہے، اس کے پس پردہ ایک اور عالم ہے جو روحانی عالم سے عبارت ہے، یہ ایسا عالم ہے جو تمام نقائص سے خالی اور تغیرات سے محفوظ ہے، ہمارے اس محسوس عالم کی غایت الغایات بھی وہی عالم روحانی ہے، جیسے جیسے عالم حسی کا قرب عالم مثال سے بڑھتا ہے اسی قدر اس میں کمال پیدا ہوتا رہتا ہے، افلاطون کی تشریح کے مطابق ہماری یہ دنیا محض ایک خیال ہے حقیقت سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں۔

کے مقلد ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تقلید سے کچھ تعلق ہی نہیں بلکہ ان اصحاب کی رائے ابوحنیفہ کی رائے سے متفق ہوگئی اور جو دلائل ابوحنیفہ کے تھے وہی دلائل ان کی نگاہ میں بھی تھے اور وہ اس سے مطمئن بھی ہوگئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مالک کے نزدیک مرسل حجت ہے، شافعی کے نزدیک مصالح مرسلہ حجت نہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مالک اور شافعی ابوحنیفہ کے مقلد ہوگئے۔ یوں ہی اجماع، خبر واحد، اور قیاس کی حجیت پر ان سب کا اتفاق ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک دوسرے کے مقلد ہوگئے۔ اجماع کی حجیت سے تو بعض بدعتیوں نے انکار کیا اور قیاس کی حجیت سے داؤد ظاہری اور بعض دوسرے لوگوں نے انکار کیا ہے۔ ابوبکر القفال شافعی، ابوعلی بن خیران شافعی اور قاضی حسین شافعی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہوگئی۔ یہی حال امام ابوجعفر طحاوی کا بھی ہے کہ ان کی رائے ابوحنیفہ کی رائے کے موافق ہوگئی جس کی بنیاد پر وہ حنفی ہوگئے، احناف کے نظریات کی تائید میں دلائل پیش کیے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار کے ابتدا میں ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

(۱۲۹) قدم عالم: ''قدم'' کا معنی عربی زبان میں سابق اور پہلا ہے اور ایسی چیز جس کے وجود پر کچھ وقت گزر جائے تو اس کو ''قدیم'' کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ایک نام المقدم ہے یعنی چیزوں کو آگے کرنے والا اور انہیں صحیح مقام پر رکھنے والا، قدیم کا اطلاق مطلقاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے، اس طور پر کہ وہی سب سے مقدم اور سب سے پہلے ہے۔ متکلمین کے نزدیک قدیم کا اطلاق ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں یعنی جس کا وجود ازلی ہو اور اس کی کوئی ابتدا نہیں اور جس پر کوئی عدم طاری نہیں ہوا اس معنی کے اعتبار سے قدیم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قدیم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) قدیم زمانی: ازل کے زمانہ ممتد میں کسی چیز کا اس طور پر موجود ہونا کہ اس پر مسلسل زمانہ گزرتا رہا اور شب و روز کی تبدیلیاں اس پر واقع ہوتی رہیں، اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر قدیم کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود زمانی نہیں اور نہ ہی زمانے کے بدلنے سے اس میں کوئی تبدیلی آتی ہے، اس لیے بھی کہ زمانے سے متصف ہونا حادث ہونے کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ کسی بھی طرح کے حدوث اور نقص سے منزہ ہے۔

(۲) قدیم اضافی: کسی چیز کا دوسری حادث چیز کی طرف نسبت کرتے ہوئے مقدم ہونا مثلاً باپ کا بیٹا سے پہلے ہونا۔

(۳) قدیم ذاتی: وجود میں کسی غیر کا محتاج نہ ہونا بلفظ دیگر جس کے وجود کی کوئی ابتدا نہ ہو، اس معنی کے اعتبار سے قدیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے کہ اس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں یعنی اس کے وجود پر عدم مقدم نہیں۔ یہی اہل سنت والجماعت اشاعرہ اور ماتریدیہ کا عقیدہ ہے جب کہ اس کے برخلاف فلاسفہ، بعض معتزلہ اور کچھ علمائے مسلمین کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ حضرات عالم کو قدیم سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی قدیم سمجھتے ہیں، حق اشاعرہ اور ماتریدیہ کے ساتھ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کی پوری بحث امام غزالی کی الاقتصاد فی الاعتقاد (ص ۱۰۲) ابن ابی العز کی شرح عقیدۃ الطحاویۃ (ص ۷۵، ۷۸) اور استاذ محترم علامہ ڈاکٹر عبدالمعطی بیومی کی کتاب دراسۃ فی العقیدۃ الاسلامیۃ والاخلاق میں موجود ہے۔

میں اپنی کتاب میں جہاں بھی بات آئے گی ناسخ ومنسوخ، علما کی تاویلات،
ایک کے خلاف دوسرے کا استدلال اوران میں میرے نزدیک جو صحیح قول
ہوگا اس کی تائید اوراس کے دلائل کا ذکر کروں گا، جب کہ دوسری طرف
بھی کتاب، سنت، اجماع یا اقوال صحابہ اور تابعین سے متواتراً جو چیز ثابت
ہوگی وہ بھی صحیح ہوگی۔

پھر خصاف، طحاوی، کرخی کے بارے میں ان کا یہ سمجھنا کہ وہ اصول وفروع میں سے کسی میں بھی ابوحنیفہ کی مخالفت کی صلاحیت نہیں رکھتے، کچھ معنی نہیں رکھتا کیوں کہ فقہی کتابوں پر جس کی گہری نظر ہوگی، اختلاف علما اور اصول کا مطالعہ جس کا جتنا زیادہ ہوگا اسے اچھی طرح معلوم ہو سکے گا کہ انہوں نے ایک یا دو مسائل میں نہیں بلکہ بے شمار مسائل میں ان کی مخالفت کی ہے، اصول وفروع میں ان کے اپنے اختیارات ہیں، قیاس اور سماع سے اقوال کا استنباط کیا ہے، اس پر معقول اور منقول سے استدلال بھی کیا ہے۔ امام کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ اوران کے علاوہ

(۱۳۰) حدیث ابی رزین: امام ترمذی فرماتے ہیں: حدثنا احمدبن منیع، حدثنا یزید بن ھارون، أخبرنا حماد بن سلمه، عن یعلی بن عطاء عن وکیع بن حدس، عن عمه أبی رزین قال: قلت یارسول الله أین کان ربنا قبل أن یخلق خلقه؟ قال: کان فی عماء ما تحته هواء وما فوقه هواء وخلق عرشه علی الماء. قال أحمد بن منیع قال یزید بن هارون العماء أی لیس معه شئی. قال أبو عیسی هکذا روی حماد بن سلمة وکیع بن حدس، ویقول شعبة وأبو عوانة وهشیم وکیع بن عدس وهو أصح وأبو رزین اسمه لقیط بن عامر، قال وهذا حدیث حسن. (سنن الترمذی ج ۵/ص ۲۸۸، حدیث ۳۱۰۹)

(ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی احمد بن منیع نے، ان سے یزید بن ہارون نے، ان سے حماد بن سلمہ نے، انہوں نے یعلی بن عطا سے روایت کیا، انہوں نے وکیع بن حدس سے، انہوں نے اپنے چچا ابورزین سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے رسول خدا ﷺ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس وقت کوئی چیز نہیں تھی، نہ تو اس کے اوپر کوئی چیز تھی اور نہ ہی اس کے نیچے کچھ تھا اور اس نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا کیا"۔ احمد بن منیع نے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا کہ "عما" کا معنی اللہ کے ساتھ کسی چیز کا نہ ہونا ہے۔ ابوعیسیٰ نے کہا کہ حماد بن سلمہ نے وکیع بن حدس کا ذکر کیا ہے جب کہ شعبہ، ابوعوانہ، اور ہشیم وکیع بن عدس کا ذکر کرتے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ ابورزین کا نام لقیط بن عامر ہے، امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

مذکورہ حدیث ترمذی کے علاوہ مسند امام احمد بن حنبل (ج ۴/ص ۱۲۰۱۱) سنن ابن ماجۃ (ج ۱/ص ۶۴) میں بھی الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔

ائمہ سے ان مسائل میں اختلاف کیا ہے:

(الف) عام کی حجیت تخصیص کے بعد اصلاً باقی نہیں رہتی۔

(ب) کسی مسئلے کا تعلق عموم بلوئی سے ہو تو خبر واحد اس میں حجت نہیں ہوگی۔

(ج) متروک محاجت حاجت کے وقت حجت نہیں ہے۔

ابوبکر رازی نے اس اصل میں اختلاف کیا ہے کہ عام مخصوص عنہ البعض کا باقی اگر جمع ہے تو وہ حقیقت ہے، ورنہ وہ مجاز ہے۔

کیا یہ مسائل اصولی مباحث سے تعلق نہیں رکھتے، ان سب کے باوجود ابوبکر رازی الجصاص کا شمار ایسے مقلدین میں کیا جانا جنہیں اجتہاد پر بالکل ہی قدرت نہیں ہوتی، بڑا ظلم اور اپنے مقام سے نیچا دکھانا، چشم پوشی، ان کے مقام علم سے ناآشنائی، فقہ میں ان کی مہارت کا انکار، اصول میں ان کے درک اور قوت فکر ونظر اور ان کے طریقۂ استدلال سے جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ جو شخص ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے گا اور ان سے منقول اقوال ملاحظہ کرے گا اس پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ جن لوگوں کا شمار ابن کمال نے مجتہدین میں کیا مثلاً شمس الائمہ اور ان کے بعد کے علما سب ابوبکر رازی کے بال بچے ہیں، اس کا مصداق وہ مسائل ہیں جہاں انہوں نے اپنے اختیارات کا استعمال کیا ہے، وہ دلائل ہیں جن سے انہوں نے طریقۂ استدلال کا ذکر کیا ہے۔ ان کی نشو نما بغداد میں ہوئی جو دار الخلافہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم، رشد وہدایت کی آماجگاہ تھا، امن وسلامتی کا شہر اور اسلام کی پناہ گاہ تھا۔ اکناف واطراف کا سفر کیا، مختلف ملکوں کی سیر کی، علما سے ملاقاتیں کیں، اہل علم وفن سے ملنے کا اتفاق ہوا، فقہ اور حدیث بڑے بڑے مشائخ سے حاصل کیا۔ دیکھیے تو سہی شمس الائمہ حلوائی ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

وہ بڑی شخصیت کے مالک ہیں، ارباب علم وفن کے درمیان معروف ہیں،
ہم ان کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔

لہٰذا مقلد کے لیے مقلد کی تقلید کیسے درست ہو سکتی ہے؟ الکشف الکبیر میں لکھا ہے جس کا مفہوم ہے کہ ابوبکر رازی ابو منصور ماتریدی سے بڑے فقیہ تھے۔ قاضی خاں نے مسئلہ توکیل بالخصومت کے ضمن میں فرمایا:

باپردہ یعنی ایسی عورت جس کا مردوں سے اختلاط نہ ہوا ہو باکرہ ہو یا ثیبہ، کے لیے وکیل بنانا جائز ہے، ایسا ہی ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر عورت باپردہ ہو تو رازی نے کہا اس کا وکیل بنانا لازم ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو متاخرین نے مستحب قرار دیا ہے۔

ابن ہمام علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ابوبکر رازی الجصاص احمد بن علی رازی بڑے امام ہیں، یعنی بظاہر اصل وغیرہ کے مطابق ابوحنیفہ سے یہی مروی ہے کہ باکرہ اور ثیبہ میں کچھ فرق نہیں خواہ پردہ نشیں ہو یا بے پردہ، اور فتویٰ اسی پر ہے جس کو انہوں نے اختیار کیا۔ لہٰذا رازی کی تخصیص کے بعد عام طور پر متاخرین کی طرف انتساب صرف اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس جزیہ کے وہی موجد ہیں اور متاخرین نے ان کی اس مسئلے میں اتباع کی ہے۔

شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتاب میں ابوبکر رازی کے حوالے سے کثرت کے ساتھ نقل کیا ہے، ان کے اقوال سے دلائل پیش کیے ہیں، اور ان کی رائے کی متابعت کی ہے۔ حلوائی اور ان کے بعد جن علما کا ذکر مجتہد فی المسائل کے ضمن میں کیا ہے ان سب کا علم ابوبکر رازی کے علم پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔☆

قاضی ابوزید دبوسی کے استاذ ابوجعفر استروشی نے ان سے علم فقہ حاصل کیا، یوں ہی شمس الائمہ حلوائی کے استاذ ابوعلی حسین بن خضر نسفی نے بھی ان سے فقہ حاصل کیا۔ سرخسی کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ان کے شاگرد ہیں، قاضی خاں ان کے اصحاب کے اصحاب میں سے ہیں۔ اصحاب تخریج میں غالباً ان کو اس لیے شمار کر لیا گیا کہ علما یہ لکھتے ہیں "ایسا ہی تخریج رازی میں ہے" اس عبارت سے یہ دھوکہ ہو گیا کہ شاید ان کا علمی مقام اصحاب تخریج ہے اور یہی کچھ ان کا مبلغ علم ہے۔

ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے عیدین کی تیرہ تکبیرات سے متعلق ابن عباس کے قول کی تخریج کی ہے اس تعداد کو انہوں نے اصل تکبیرات پر محمول کیا ہے جب کہ شافعی اور ان کے پیروکاروں نے تکبیرات زوائد پر اس کو محمول کیا ہے۔

ابو یوسف نے شعبی کے اس قول کی تخریج کی کہ خنثی مشکل وراثت کے مسئلے میں دو حصوں

کے نصف کا مستحق اس لیے ہے کہ یہ سات کا تیسرا حصہ ہے اور محمد نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ بارہ کا پانچواں حصہ ہے۔

ابوالحسن کرخی نے تعدیل رکوع اور سجود سے متعلق ابوحنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے قول کی تخریج کی اور اسے واجب قرار دیا اور ابوعبداللہ جرجانی نے اس کی تخریج کی اور اسے سنت پر محمول کیا۔ اس طرح کی درجنوں ایسی مثالیں موجود ہیں جو بڑے مجتہدین کرام سے صادر ہوئیں جس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان کی اجتہادی شان پر حرف آجائے یا ان کے درجے کو کم کردے، تو پھر ابوبکر رازی کو کیسے ان کے درجے سے نیچے شمار کیا جاسکتا ہے۔

قدوری اور صاحب ہدایہ کو انہوں نے اصحاب ترجیح اور قاضی خاں کو مجتہدین فی المسائل کی فہرست میں شامل کیا ہے جب کہ قدوری زمانے کے اعتبار سے شمس الائمہ سے پہلے ہیں اور علم و فضل میں بھی ان کا مقام اعلیٰ ہے تو پھر قاضی خاں سے بڑے کیوں نہیں ہوں گے۔

جہاں تک صاحب ہدایہ کی بات ہے تو ان کا مقام تو یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں جہاں جاتے مرجع علما ہوتے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے۔ جواہر اور اس کے علاوہ کتابوں میں ہے کہ ان کے زمانے کے لوگوں نے ان کی علمی برتری اور ان کے فضل کا اعتراف کیا ہے، جن میں امام فخر الدین قاضی خاں اور زین الدین عتابی وغیرہ سرفہرست ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو اپنے زمانے کے علما سے بہت آگے تھے حتی کے اپنے ان اساتذہ پر بھی انہیں علمی برتری حاصل تھی جن سے انہوں نے فقہ حاصل کیا تھا اور انہیں اس کا اعتراف بھی تھا۔ لہذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا درجہ قاضی خاں سے کم تھا، بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ وہ اجتہاد کے ان سے کہیں زیادہ مستحق تھے، اجتہادی مسائل کے اسباب میں بھی قاضی خاں سے زیادہ دسترس انہیں حاصل تھی۔

یہ اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ ان کی اس درجہ بندی سے پانچویں اور چھٹے درجے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ کس قیاس کی بنیاد پر انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے اور کس بنیاد پر ان کے درمیان یہ فرق رکھا ہے؟ انہیں تو اس موضوع سے بہت کم تعلق ہے، جن لوگوں کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے ان سے بھی ان کی موافقت بہت کم لگتی ہے، اکثر کو تو وہ جانتے ہی نہیں۔ ممکن ہے ایک کا دو

کردیا ہو اور مقدم کو موئخر کردیا جس سے معاملہ بالکل الٹ گیا بلکہ بہت ساری کتابوں کو دوسروں کی طرف منسوب بھی کردیا ہے، پھر وہ کس طرح ان کے طبقات کو جان سکتے ہیں اور کس طرح ان کے فقہی مراتب کو بیان کرسکتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کلیہ کا علم بہت دشوار ہے بالخصوص اجلہ فقہا اور علما سے متعلق کیوں کہ ان کی مثال پھیلی ہوئی اس زنجیر کی طرح ہے جس کے دوسرے سرے کا پتہ ہی نہیں چلتا، جس کا اشارہ اللہ تعالی کے اس قول میں موجود ہے وما نریهم آیة الا هی أکبر من اختها (ہم انہیں جو بھی نشانی دکھاتے ہیں وہ دوسری سے کہیں زیادہ بڑی ہوتی ہے) اس کا صحیح مفہوم تو اللہ کو ہی معلوم ہے مگر میری سمجھ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ہر نشانی کو اگر الگ الگ دیکھا جائے تو غور کرنے والا ہر ایک کے بارے میں یہی کہے گا یہ سب سے بڑی نشانی ہے ورنہ یہ متصور نہیں ہوسکتا کہ ہر نشانی دوسری نشانیوں سے من کل الوجوہ بڑی ہے کیوں کہ یہ تناقض ہے۔

فقہائے عراق بڑے سادگی پسند تھے، آداب والقاب کو بالکل پسند نہیں کرتے، القاب سے متعلق وہ سلف امت کے نقش قدم پر تھے کہ ان کے اندر دینداری، تقویٰ اور تصلب فی الدین اتنا زیادہ تھا کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے کو بھاری بھرکم الفاظ سے دور رکھا، بلند بانگ دعووں کو کبھی بھی اپنا شعار نہیں بنایا اور خودسری اور خودنمائی کو کبھی بھی اچھا نہیں سمجھا۔ اسی طرح وہ منصب قضا اور شاہی نوکری سے بھی دور رہنے کی کوشش کرتے رہے، لہذا دوسروں سے امتیاز کے لیے وہ اپنے نام کے ساتھ اتنا سادہ لفظ استعمال کرتے جو عام لوگوں کی نگاہ میں نہایت حقیر سمجھا جاتا تھا، وہ اپنے کو کسی پیشے کی طرف منسوب کرتے، یا قبیلے کی طرف، یا گاؤں کی طرف یا کسی علاقے کی طرف یا اسی طرح کسی چھوٹی چیزوں کی طرف مثلاً خصاف، جصاص، قدوری، ثلجی، طحاوی، کرخی، صیمری۔ جب متاخرین نے ان کا حوالہ نقل کرنا شروع کیا تو ان کے نام کے ساتھ کسی آداب والقاب کا اضافہ نہیں کیا، ان کے طریقے پر چلتے ہوئے انہیں الفاظ کو ان کے نام کے ساتھ استعمال کیا۔

دوسری طرف خراسان اور بالخصوص ماوراء النہر کے لوگوں کا حال قرون وسطی اور اس کے بعد کے زمانے میں یہ تھا کہ دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، خودنمائی اور خودسری ان کے اندر پوری طرح کارفرما تھی، خاکساری محض ایک دکھاوا تھی، اپنے علاوہ دوسروں کی بات

کی ان کی نظروں میں کوئی قیمت نہیں تھی، روئے زمین پر اپنے علاقے کے علاوہ کسی اور علاقے کی ان کی نگاہ میں کوئی قدر بھی نہیں تھی۔ ہر ایک اپنے خیال میں یہی سمجھتا تھا کہ پوری کائنات ان کے علاقے کے سامنے ہیچ ہے۔ اس فکر کا ان کے علما میں بھی آجانا کچھ بعید نہیں تھا، لہٰذا انہوں نے انہیں بڑے بڑے القاب سے نوازا، اور بڑے بڑے اوصاف کو ان کے نام کی زینت بنایا مثلاً شمس الائمہ، فخر الاسلام، صدر الشریعہ، یہی حال ان کے بعد آنے والے علما کا بھی رہا۔ وہ اپنے اسلاف کو بڑے بھاری بھرکم القاب سے یاد کرنے لگے، ان کے بالمقابل دوسروں کو نیچا دکھاتے، جب ان میں سے کسی کا ذکر آتا تو ان کے القاب میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے اور کہتے الشیخ، الامام الاجل، الزاہد الفقیہ وغیرہ اور جب ان کے علاوہ علما کا ذکر کرتے تو صرف اس قدر کہتے کہ ''کرخی اور جصاص نے کہا'' تو عجب نہیں کہ جن لوگوں نے ان کی زبان سے یہ سب کچھ سنا وہ بھی ان کی اقتدا کرنے لگیں، لہٰذا جو احوال رجال سے ناآشنا، ان کے مراتب کمال سے نابلد، علما کے طبقات اور فقہا کے مراتب سے بے خبر تھے وہ ان کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہوگئے۔ انہوں نے اوصاف کے بلند وبالا ہونے کی وجہ سے موصوف کو بھی بڑا سمجھ لیا جس کی وجہ سے انہوں نے ان کے علاوہ علما کی برتری کا انکار کر دیا اور اللہ کے دیگر نیک بندوں کو حقیر سمجھ لیا۔

ابن کمال حکومت کی طرف سے فتویٰ نویسی پر مامور تھے، اپنے آپ کو مازق اور پریشانیوں سے نکالنے کے لیے فتاویٰ کی کتابوں کا مطالعہ ان کی ضرورت بن گئی ہوگی، اس دوران ان کی نگاہ باشندگان ماوراء النہر پر پڑی تو انہیں بڑے بڑے آداب والقاب والا دیکھا جس سے یہ سمجھ بیٹھے کہ ان کے سامنے تو کسی کی کوئی قدر ہے ہی نہیں، لہٰذا ان سے متاثر ہوتے چلے گئے اور یہی ان کی طبیعت بن گئی، جو کچھ انہوں نے کیا وہ بعد والوں کے لیے نشان منزل بن گیا اور آداب والقاب کی روشنی میں علما کے طبقات کی جس طرح حد بندی کر کے عالی مرتبت کو انہوں نے سافل کر دیا، ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیا اور تنگ دست کو فیاض بنا کر پیش کیا، بعد میں آنے والوں نے بھی انہیں کے طریقے کو اپنا لیا اور اس سے تجاوز کرنا بالکل ہی پسند نہیں کیا، اگر ان کے سامنے کسی بڑے عالم کا قول آتا تو وہ کہتے وہ تو مجتہدین میں سے نہیں کیوں کہ ان کا شمار مذکورہ طبقات میں نہیں۔

اہل علم سے یہ پوشیدہ نہیں کہ اس شخص نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ سمندر سے ایک

گھونٹ اور صحرا سے ایک مشت خاک کے برابر ہے، حاکم وغیرہ نے بسند صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے درجات کے مطابق رکھیں (۱۲۵)۔ ان میں ہر ایک ائمہ دین ہیں، اور روئے زمین پر حق کے داعی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بھی عطا فرمائی ہے۔ اہل بصیرت کے لیے یہ چند فوائد و فصول اور قواعد اصول ہیں۔ اللہ ہی سیدھی راہ کی راہنمائی کرنے والا ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے اور ہمارا نگہبان بھی۔☆

میں نے ناظورة الحق فی فرضیة العشاء وان لم یغب الشفق سے نقل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس مقام پر مختصر تصرف کے ساتھ پورا کر دیا۔ یہ کتاب قدیم بلغاریہ کے علاقہ قزان سے ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوئی ہے مگر اس علاقے کی کتاب تک پہنچنا کسی قلمی نسخے تک پہنچنے سے زیادہ دشوار مسئلہ تھا اور اس کا حاصل کرنا بہت کٹھن معاملہ تھا اس لیے ہم نے اس کی بحث کا خلاصہ ذکر کر دیا تاکہ محققین اس کو دیکھ سکیں اور اس لیے بھی کہ اس میں بڑے فوائد اور زبردست تحقیقات تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ موضوع طبقات فقہا کے لیے بھی بہت اہمیت کا حامل تھا، کیوں کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حد سے تجاوز کرنے والوں کی بھی کثرت ہوتی جارہی تھی اس لیے دلائل و براہین کی روشنی میں انہیں لگام دینا از حد ضروری ہو گیا تھا۔ اللہ کی مدد اور اس کے فضل سے اس بکھری ہوئی بحث کو یکجا کرنے کا ہمیں موقع ہاتھ آ گیا اور اللہ ہی ہر امیدوں کو فعل اور عمل کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔

اس کتاب کے مؤلف بڑے علامہ، صاحب نظر و تحقیق، ماہر فقیہ، اصولی، متکلم مورخ شیخ شہاب الدین بن بہاء الدین مرجانی ہیں، ۱۲۳۳ھ میں ان کی پیدائش مرجان گاؤں میں ہوئی، اپنے والد سے علم حاصل کیا، پھر ۱۲۵۴ھ میں بخارا اور سمرقند کا سفر کیا، ان علاقوں کے مشائخ سے علم حاصل کیا، انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ملی اور ان علمی خزانوں سے اچھی طرح استفادہ کیا کیوں کہ وہ علاقے اس وقت نادر کتابوں کی نسبت معروف تھے، یہاں تک کہ فقہ، اصول، توحید اور تاریخ میں بہت نفع بخش کتاب کے مؤلف بن گئے۔ ان میں سے بہت ساری کتابیں قزان، قاہرہ اور استنبول سے شائع ہو چکی ہیں۔ ۲۸ شعبان ۱۳۰۶ھ کو اپنے ہی شہر میں ۸۳ سال کی عمر میں

دائی اجل کو لبیک کہہ گئے۔اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ان کی زندگی ایک کامیاب علمی زندگی تھی، مسائل میں ان کی اپنی ایک شان تھی ان سب کے باوجود بعض تسامحات ان کی بحث میں موجود ہیں۔وہ لغت میں سماع کے پابند نہیں تھے بلکہ ہر موضوع پر ان کا قلم آزاد تھا۔اللہ ان سے اور ہم سے درگزر فرمائے۔

شاہ ولی اللہ کے تسامحات

اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس بحث کی آخر میں الحبر الھمام شیخ احمد بن عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق کچھ باتیں کی جائیں کیوں کہ انہوں نے اجتہاد، تاریخ فقہ وحدیث سے متعلق اپنی کتابوں میں بڑی جرأت مندانہ بحثیں کی ہیں، جوان کی کج فکری اور متقدمین کی کتابوں پر کوتاہ نظری کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ احوال رجال اور تاریخ علوم سے ناآشنائی کا پتہ بھی دیتی ہیں، اس کوتاہ دستی اور علمی محرومی کے باوجود خیالات کی وادی میں ایسا بے لگام بھٹکتے رہے جس سے ان کے قدم ڈگمگا گئے۔

ان کی کتابوں کے اپنے جلوے ہیں اور ان کے فوائد بھی اپنی جگہ مسلم ہیں، اس کے باوجود کچھ ان کے تفردات ہیں جن کی متابعت درست نہیں کیوں کہ اس میں فکری اضطراب پایا جاتا ہے، جس سے انسان موضوع کی تحقیق میں حق پر قائم نہیں رہ سکتا اور یہ تابع ومتبوع دونوں ہی کے لیے خطرہ ہے۔ بہت سارے مقامات پر آپ ان کی ایسی مربوط عبارتیں دیکھیں گے جس کا کچھ فائدہ ہی نہیں، لہٰذا میں یہاں ان کے بعض فکری اضطرابات کو ان لوگوں کے لیے اجاگر کرتا ہوں جنہوں نے ان کی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا تاکہ وہ ہوشیار رہیں۔ ان کی تمام باتوں کا تفصیلی جائزے کے لیے خاص فارغ اوقات کی ضرورت ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت میں ان کا اہم کردار ہے مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حق سے جہاں انہوں نے تجاوز کیا ہے ہم اس سے سکوت اختیار کرلیں، لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ ان کی نشو نما حنفی ماحول اور حنفی اعتقاد میں ہوئی اور دوسری طرف عارف باللہ شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی جو توحید شہودی (۱۲۶) کا قول کرنے میں امام ربانی سے معروف ہیں، کے روحانی فیوض سے بہرور ہوئے۔ اپنے ملک کے ماحول کے مطابق

حدیث اور فلسفے میں مہارت حاصل کی، اس کے بعد حجاز کا سفر کیا جہاں انہوں نے اصول ستہ مدینہ منورہ میں شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کورانی شافعی سے حاصل کیے☆ اور ان کی صحبت بھی اختیار کی، ان کے والد کی کتابیں جن میں انہوں نے حشویہ، اتحادیہ، فلاسفہ اور متکلمین کے متصادم نظریات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے کا مطالعہ کرتے رہے، جس کا ان کی فکر پر گہرا اثر پڑا اور فقہ اور تصوف میں انہیں کے مذہب کی طرف مائل ہوگئے۔ ہندوستان جب واپس ہوئے تو تصوف، اور فقہ میں اپنے اہل خانہ اور اپنے خاندان کے مذہب کو ایک طرف رکھ کر واپس ہوئے، ساتھ ساتھ توحید وجودی (۱۲۷) سے بھی متاثر ہوگئے اور زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے:

عقد الخلائق في الاله عقائدا وأنا اعتقدت جميع ما اعتقدوه

(ترجمہ: اللہ کے بارے میں لوگوں نے مختلف عقائد رکھے ہیں، اور میں بیک وقت ان تمام عقائد کا ماننے والا ہوں)

یہیں سے اتحاد پارہ پارہ ہوا جب انہوں نے اپنے فقہی نظریات کی طرف دعوت دینا شروع کی، حشویہ، فلاسفہ اور وحدۃ الوجود کے قائلین کے اقوال میں تطبیق کی کوشش کرنے لگے اور صورتوں میں اللہ کی تجلی اور مظاہر میں اس کے ظہور کی تشبیہ یہ سمجھ کر کرنے لگے کہ یہی اکابر کا عقیدہ ہے۔ جب کہ یہ نظریات قول بالحلول کے قبیل سے ہیں جن کو اہل دانش نے یکسر مسترد کر دیا ہے اور اس طرح کے اقوال کی ماضی میں آپ کو بہت ساری مثالیں مل جائیں گی۔

ان کے پوتے (شاہ اسماعیل دہلوی) کی کارگزاریوں نے مسئلے کو اور بھی الجھا دیا، ملت کا شیرازہ منتشر ہوگیا، غیر مقلد، حشویہ اور خود حنفیہ میں مختلف گروہ ہوگئے، زمانے کے ساتھ ساتھ اس ملک میں غیر مقلدیت کو فروغ ملنے لگا۔ اگرچہ دادا محترم (شاہ ولی اللہ) بعد میں ایک منامی بشارت کی وجہ سے اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹ آئے اس بشارت کا ذکر انہوں نے فیوض الحرمین اور تفہیمات الٰہیہ میں کیا ہے۔ تفصیل کے لیے فیض الباری کا مقدمہ (ص ۲۴) دیکھیے۔

شاہ ولی اللہ اصول ستہ کی احادیث کے متون کا تو خوب اہتمام کرتے تھے مگر اسناد کی طرف بالکل نظر نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر متون پر ہی اقتصار کیا جائے تو (اصول ستہ) کی

(۱) یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر علی محمد عمر کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ خانجی مصر سے شائع ہو چکی ہے۔

حدیثوں کے لیے ایک جلد ہی کافی ہوگی مگر اہل علم اسانید میں غور و فکر کا خاص اہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ فرعی مسائل کے احتجاج سے متعلق سنن تو اپنی جگہ صحیحین کی سند میں بھی غور و تدقیق سے کام لیتے ہیں، لہٰذا عقیدے سے متعلق کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ احادیث کی سندوں میں غور و فکر ترک کر دیا جائے۔ ان کا کتب ستہ کی اسناد میں غور و فکر کیے بغیر صرف متون پر اکتفا کرنا مذاہب فقہا اور مسانید ائمہ میں جبری حکم لگانے اور جرأت کا مظاہرہ کرنے کے مترادف ہے، جو محض خیالی باتیں ہیں تاریخ علوم اور اہل شان محققین کے نزدیک ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے عجیب و غریب نظریات میں سے ایک یہ ہے کہ معجزہ شق القمر دراصل نظر بندی کا معاملہ تھا، حالاں کہ نظر بندی رسولان عظام میں سے کسی کی بھی شان نہیں۔

مشکلات الآثار کو دہلوی صاحب نے ان وجوہ پر محمول کیا ہے جس کا تعلق عالم مثال سے ہے، بعض متصوفہ کے مطابق معانی کا اس میں حلول ہوتا ہے، یہ نظریہ انہوں نے افلاطون کے مثالی عالم (۱۲۸) کے نظریے سے اخذ کیا ہے، جن کے مطابق یہ پورا عالم خیالی ہے اس کا وجود نہ تو شرع میں ثابت ہے اور نہ ہی عقل میں۔ نتیجتاً مشکلات کے حل کا دار و مدار اس عالم پر رکھنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس کا حل کسی خیالی چیز پر رکھا جائے بلکہ اثر پیدا کرنے والے معانی کی نفی بھی اس لیے ہو جائے گی کہ اس کا دار و مدار مجہول عالم مثال پر ہے۔ حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ کسی چیز کو اس کے علاوہ سمجھنا جیسا کہ صدر اول کے مخاطبین نے سمجھا گمراہی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لہٰذا اگر مشکلات کو حل کرنا چاہیں تو احادیث کی اسناد، رجال کے احوال اور ائمہ کرام کی معتبر توجیہات کا سہارا لینا پڑے گا۔

ان کا ماننا ہے کہ جنہوں نے شفاف چشمے سے سیرابی حاصل کی ہے ان کی روایتیں مشکوک ہیں جب کہ متاخرین اور بعد میں آنے والے جنہوں نے گدلے چشمے سے سیرابی حاصل کی ان کی روایتیں شفاف ہیں۔

انہوں نے اصول مذہب پر بھی تنقید کی اور یہ کہا کہ یہ متاخرین کی کارستانیاں ہیں اور انہوں نے خبر واحد کے ذریعے نص پر زیادتی کو بھی اسی قبیل سے قرار دیا، اور ساتھ ہی ساتھ اس مسئلے

(۲) یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے ساتھ دار النوادر للنشر والتوزیع سے شائع ہو چکی ہے۔

میں شافعی کا محمد بن حسن کے ساتھ مناظرہ بھی درج کیا ہے جو خود ان کے خلاف ہے اور اس دعوے کے خلاف ہے جو خود انہوں نے چند سطور پہلے کیا ہے۔ اس سے ان کے علمی افق کا پتہ چلتا ہے، ان کی کوتاہ بصیرت واضح ہوتی ہے اور متقدمین کی کتابوں (جن میں اصول مذاہب کے مسائل پھیلے ہوئے ہیں اور جو ہم تک ہمارے متقدمین ائمہ کے حوالے سے پہنچی ہیں) میں عدم دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ کہاں شاہ ولی اللہ اور کہاں عیسیٰ ابن آبان کی کتاب الحجج الکبیر یا الحجج الصغیر؟ یوں ہی فصول ابی بکر الرازی فی الاصول اور اتقانی کی الشامل کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی ہوگی، اسی طرح ظاهر الروایة کی شرحیں کہاں ان کے مطالعے میں آئی ہوں گی؟ جن میں اصول مذاہب کے بے شمار مسئلے ہیں جو ہمارے ائمہ کرام سے منقول ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی شخصیتوں پر ان موضوعات کے سلسلے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

محقق کشمیری نے فیض الباری کے باب بدأ الخلق میں ان کے کسی رسالے کے حوالے سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قدم عالم (۱۲۹) کا قول کیا ہے جو سب سے بڑی مصیبت ہے، اور پھر اس سے کہیں زیادہ تعجب کی بات اس مسئلے پر ترمذی میں موجود حدیث ابی رزین (۱۳۰) سے استدلال ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے راوی کی تاویل کو بھی مسترد کر دیا ہے جب کہ اس کی سند میں حماد بن سلمہ اور وکیع بن حدس ہیں، حماد مختلط ہیں اور ان کی کتابوں میں ان کے دونوں سوتیلے بیٹوں نے تشبیہ سے متعلق جو کچھ بھی باطل چیزیں چاہیں ڈال دیں۔ یوں ہی بخاری نے مطلقاً ان سے اجتناب کیا ہے اور مسلم نے ان سے ثابت کی روایت کے علاوہ کوئی اور روایت تخریج نہیں کی، جب کہ اس کے شیخ یعلی بن عطا بھی اس درجے کے قوی نہیں ہیں، جہاں تک وکیع بن حدس یا عدس (اختلاف روایت کی بنیاد پر) کا مسئلہ ہے تو ان کی صفت مجہول ہے، ان جیسوں کی روایت تو عورتوں کے حیض سے متعلق بھی قابل احتجاج نہیں ہو سکتی تو یہ روایت کیسے حجت ہو جائے گی، جس میں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کیا گیا ہے یا قدم عالم کا نظریہ ثابت کیا گیا ہے جو کتاب اللہ کے سراسر منافی ہے۔

(۳) سیر اعلام النبلاء ج ۸ / ص ۵۳۵، تذکرہ نمبر ۱۴۱، الثقات لابن حبان ج ۷ / ص ۶۴۵، تذکرہ نمبر ۱۱۸۸۱

(۴) الاستیعاب ج ۲ / ص ۵۸۴، تذکرہ نمبر ۹۲۳

جس کا حال علم حدیث میں یہ ہو تو ادلہ احکام سے متعلق کیسے اس کو حاکم سمجھا جاسکتا ہے؟

تاہم بعد میں جب انہیں مدینہ منورہ سے بشارت ملی جو انہوں نے خواب میں دیکھا تھا تو وہ اس اضطراب سے نکل کر آخرت کی سروسامانی میں لگ گئے تھے۔ چنانچہ فیوض الحرمین میں رقم طراز ہیں کہ ''نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بتایا کہ مذہب حنفی کا طریقہ بالکل صاف ستھرا ہے اور سنت کے سب سے زیادہ موافق ہے''، اس عبارت کے بعد ان حضرات کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا جو الانصاف، عقد الجید، اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کے بل بوتے پر مذہب کو ڈھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ ایک سرسری اشارہ ہے جو ان کے شطحیات کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ امید کہ اللہ تعالیٰ اس کثیر الجوانب بحث کی تمام آرا کا جائزہ لینے کے لیے فرصت کے دوسرے اوقات مہیا فرمادے اور اللہ کے لیے کچھ دشوار نہیں۔

یہ رسالہ اللہ کے فضل وکرم سے قاہرہ (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے) میں بروز جمعرات ۲۴ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھ فقیر محمد زاہد الکوثری کو جو کہ دار السلطنۃ العثمانیہ میں علمی خدمات کا فریضہ انجام دے چکا ہے کی مغفرت فرمائے اور میرے والدین، میرے مشائخ میرے اسناد کے رجال، میرے رشتہ دار اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(۵) تاریخ بغداد ج ۱۴/ ص ۲۴۴، تذکرہ نمبر ۷۵۵۸

مؤلف ایک نظر میں

نام: منظر الاسلام

جائے پیدائش: مدار گنج، سراہا، ضلع ارریہ (بہار)

والد: سید توحید عالم

تعلیم: (۱) حفظ قرآن کریم، دارالعلوم عمادیہ، پٹنہ
(۲) فاضل درس نظامی، جامعہ عربیہ ضیاء العلوم، بنارس
(۳) تخصص فی الدعوہ والادب، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی
(۴) الاجازات العالیہ، شعبہ حدیث وعلوم الحدیث، جامعۃ الازہر شریف، مصر
(۵) تخصص فی الافتاء (مذاہب اربعہ) دارالافتاء المصریہ، قاہرہ، مصر
(۶) عالمیت (ثانویہ) معہد البعوث الاسلامیہ، جامعۃ الازہر شریف
(۷) ریسرچ اسکالر ڈیوک یونیورسٹی، امریکہ

مشغلہ: تصنیف، تبلیغ، تحقیق، دروس، وعظ، لکچرز (بزبان انگلش، عربی، اردو)

امام وخطیب: کیری اسلامک ایسوسی ایشن، نارتھ کیرولینا، امریکہ

ڈائرکٹر: فقہی کونسل آف انٹرنیشنل اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ ایسوسی ایشن، ساؤتھ کیرولینا، امریکہ

بانی رکن: دی نیو ایج میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر، دہلی، انڈیا
المدینہ ایجوکیشنل بورڈ، پورنیہ، بہار

بانی: الفاضل ویلفیر ٹرسٹ، ارریہ، بہار

عالمی کانفرنس میں شرکت: سہ روزہ عالمی صوفی کانفرنس، مراکش ۲۰۰۹ء

امریکی سیمینارز میں شرکت: ڈیوک یونیورسٹی ۲۰۱۰ء

ویک فورسٹ یونیورسٹی ۲۰۰۷ء

ویک فورسٹ یونیورسٹی ۲۰۰۶ء

قلمی خدمات:

اردو، انگلش، عربی میں پچاس سے زائد مقالات ومضامین ہندوپاک اورامریکہ کے جرائد ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

تصنیف وتالیف: اثر ابن عباس

قرآن کریم کی تفسیر میں غیر اسلامی افکار کی دراندازیاں (زیر طبع)

امام زہری اور مستشرقین (زیر طبع)

علم جرح وتعدیل (زیر ترتیب)

سیرت رسول (زیر ترتیب)

اردو سے عربی ترجمہ، تحقیق:

القادیانیه

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

محمد ﷺ خاتم النبیین

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

الهاد الکاف فی حکم الضعاف

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

العقیده فی الاسلام

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

اوقات الصلوة فی ضوء الاحادیث النبویه

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

علامہ زاہد کوثری کی تحقیق کا بڑا حصہ قلمی کتابوں اور قدیم نسخوں پر مشتمل ہے۔ قدرت نے کوثری کے اخاذ ذہن کے لیے وسائل بھی فراہم کر دیے تھے۔ وہ ایک زمانے تک ساڑھے چار سو سال تک عالم اسلام کی سربراہی کرنے والے ملک ترکی میں رہے جس کے قدیم کتب خانے ان کی دلچسپی کا مرکز تھے۔ اس کتاب میں مصنف کا طریقہ کار عام طرز سوانح نگاری سے بالکل مختلف ہے، عام مؤلفین کی طرح محض نام و نسب، تاریخ پیدائش، جائے پیدائش، تاریخ وفات جیسی تفصیلات بیان کرنے پر ہی انہوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ اگر تاریخ پیدائش بیان کی ہے تو مختلف اقوال میں تطبیق و تحقیق اور راجح تاریخ بیان کرنے کا حق ادا کر دیا، قضائے ابو یوسف پر بات کی تو تحقیق کی انتہا کر دی، علمی مقام اور معاصرانہ احوال بیان کیے تو ایسا لگتا ہے یہ حرف آخر ہے، امام ابو یوسف کی اجتہادی شان کا ذکر کیا تو ایسے ایسے اصولی اور فروعی مباحث ذکر کیے کہ انصاف پسند قاری ان کی رائے سے متفق ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔



دار النعمان
للطباعة والنشر والتوزيع
Near Maktaba Qadria University Road, old Sabzi Mandi, Karachi.
Contact No.: (92) 345 7760640.